اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ

اور

دعوت وتبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات

قرآن وحدیث اور فقہاء ومحدثین کے کلام کی روشنی میں

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

﴿انتخاب وترتیب اور تقدیم﴾

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب.................. اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ

افادات............ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب...... محمد زید مظاہری ندوی

سن اشاعت........... ۱۴۳۵ھ

صفحات.................۲۱۶

قیمت.................۱۳۰/روپئے

ویب سائٹ........... WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے
☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ
☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ
☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ:۲۱۰۰۱
☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ
☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست

اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ

باب ۱

فصل

فصل

فصل

فصل

فصل

فصل

تصدیق وتائید

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند یوپی

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی کتاب ''اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ'' اور ''دعوت وتبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات'' متعدد مقامات سے دیکھا۔

مفتی محمد زید صاحب ایک سنجیدہ اور محتاط عالم دین ہیں، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات کی تلخیص وترتیب کا مفید کام مدت سے کررہے ہیں، نیز حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی خدمت میں عرصہ تک رہ چکے ہیں اوران کے مکتوبات، ملفوظات اور مواعظ کو جمع کرتے رہے ہیں، اس طرح اکابر کے افادات پران کی اچھی نظر ہے، دعوت وتبلیغ کے کام کو بھی بہت قریب سے دیکھا ہے۔

پیش نظر کتاب میں مفتی صاحب نے جس مسئلہ کو اپنا موضوع بنایا ہے وہ بڑا نازک ہے، اس میں افراط وتفریط دونوں خطرناک ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی برپا کی ہوئی دعوت وتبلیغ کی محنت ایک مبارک محنت ہے، اس کے مفید نتائج اور اثرات روز روشن کی طرح واضح ہیں، لیکن اس کام کے بے حد پھیلاؤ اور اس کا نظام اکثر وبیشتر غیر علماء کے ہاتھوں میں آجانے کی وجہ سے اس میں

بہت سی بے اعتدالیاں در آئی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

یہ کتاب اسی جذبہ سے لکھی گئی ہے، اور اس میں اصل الاصول حضرت تھانویؒ کے افادات کو بنایا گیا ہے اس لئے کسی اشتعال اور جانب داری کے بغیر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ کتاب کے مندرجات کو پڑھنا چاہئے، اصلاح کی کوشش کرنے والوں کو کام کا مخالف نہیں سمجھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مصنف کی محنت کو قبول فرمائے اور دعوت وتبلیغ کی محنت کو بھی اس کی صحیح شکل اور ترتیب کے ساتھ اپنانے اور اپنا محاسبہ اور اصلاح کرنے کی توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
دارالعلوم دیوبند
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

تصدیق وتائید

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہٗ

ناظم مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم امابعد!

مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل، ممتاز عالم دین مکرم ومحترم مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری مدظلہ العالی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر ومشائخ اور بزرگانِ دین کے ساتھ تعلق وعقیدت اور ان کے ملفوظات وہدایات کو مرتب کرنے اور جمع کرنے سے ایک خصوصی دلچسپی اور بڑے نرالے انداز اور پوری سنجیدگی اور احتیاط کے ساتھ کام کرنے کی ایسی توفیق عطا فرمائی ہے کہ ان کے درجنوں رسائل اور کتابیں محض ترتیب ہی نہیں بلکہ مستقل تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں، خصوصاً حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے افادات، مواعظ وملفوظات پر ان کی وسیع نظر ہے، انہوں نے حضرت قدس سرہٗ کے علوم ومعارف کو ایک عرصہ تک حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ کی سرپرستی اور نگرانی میں ایسے سلیقہ سے جمع کیا ہے کہ وہ اصلاح باطن ، درستگی احوال اور دینی افادات کا حامل لٹریچر ثابت ہوا ہے۔

زیرِنظر رسالہ ''اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ'' اس میں بھی حضرت تھانوی قدس سرہ کے افادات کو اصل الاصول کا درجہ دیا ہے، اسی ذیل میں انہوں نے

دعوت وتبلیغ کی مبارک خدمت انجام دینے والے دعاۃِ دین کو بھی توکل کی تشریح کے سلسلہ میں نہایت مناسب یاددہانی فرمائی ہے، جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کی اس محنت اور تمام خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

فقط والسلام

محمد سلمان

(ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

۲۹؍صفر المظفر ۳۵ھ

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمدلله، والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم أنبیائہٖ

محمدو علیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین أمابعد

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ دین بنایا ہے جو اپنی جامعیت اور مکمل دائرۂ کار رکھتا ہے، جو قرآن مجید کی آیت **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا**(سورۃ المائدۃ: ۳) سے واضح ہوتا ہے، یعنی دین مکمل صورت میں اور دینی نعمت اپنے پورے فوائد کے ساتھ اہل اسلام کو عطا کی گئی ہے۔

انسان کو زندگی اس کے خالق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی دی گئی ہے جس میں جسم کے بقاء وصحت کو اس کے رب رب العالمین کی طرف سے مقرر کردہ مقصد تخلیق کے مطابق عمل کو جمع کیا گیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ''**المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف**'' اس میں یہ واضح اشارہ دے دیا گیا کہ اپنی صحت وقوت جسمانی کی طرف توجہ کرو، مؤمن قوی بنو، ضعیف نہ بنو۔

اور ہر انسان کو قدرت کی طرف سے عطا کردہ قوت وصحت کو استعمال کر کے اپنی ضرورت پوری کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ محنت کرے اور کام کرے اور کمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر عمل بھی کروایا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو جو آپ کے پاس اپنی حاجت لے کر آیا تھا آپ نے اس سے کہا تھا کہ تمہارے پاس کیا سامان ہے؟ اس نے ایک پیالہ بتایا، آپ نے اس کو طلب فرمایا اور اس کو فروخت کر کے اسی سے اس کے اہل وعیال کے لئے کھانا مہیا فرمایا اور رزق کمانے کے لئے اس کو کلہاڑی بنا کر دی

کہ لکڑی کاٹو اور بیچو تا کہ اس سے خرچ چلا سکو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جو اپنی ساری جائداد اللہ کی راہ میں دے دینا چاہتے تھے منع کیا اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی، اور فرمایا کہ اپنے بچوں کو بے سہارا چھوڑنے کے بجائے ان کے لئے انتظام کر کے جاؤ۔

اس طرح زندگی کی ضرورتوں کے لئے ذرائع اختیار کرنا اور نظم کرنا ضروری قرار دے دیا گیا، اور توکل کی تاکید کے ساتھ اس بات کو بڑے اچھے ڈھنگ سے جوڑ دیا گیا، فرمایا کہ ''**اعقلها وتوكل**''، یعنی اونٹ کے پیر باندھو تا کہ وہ بھاگ نہ جائے اور بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ پر کہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے یہ ہوگا کہ اونٹ بھاگے نہیں، توکل اور دنیاوی ذرائع اختیار کرنے کے عمل دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا، یہ ہے اسلام کی جامعیت، اسلام کی اس جامعیت کا لحاظ کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے تو نتائج اچھے نہیں نکلتے۔

مولانا محمد زید صاحب مظاہری ندوی استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور تاریخِ اسلام میں پھیلے ہوئے جید ترین علماء اور محققین کے اقوال سے مذکورہ بالا جامعیت کی طرف توجہ دہانی والے احوال کو جمع کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسباب کی فکر کرنا اور ذرائع اختیار کرنا دینداری کے منافی نہیں ہے۔

اسی ضمن میں انہوں نے تبلیغ ودعوت کے بعض کام کرنے والوں کی طرف سے وعظ وتبلیغ کے موقعوں پر توکل کی تشریح دینی کام کی جامعیت سے ہٹ کر کئے جانے کی متعدد مثالیں دیکھیں، لہٰذا اس سلسلہ میں انہوں نے مثالوں اور حوالوں سے مناسب توجہ دہانی کی ہے، اس طرح یہ کتاب اچھے اور مفید موضوع کی حامل ہوگئی ہے، امید ہے کہ بہت سے لوگوں کی ذہنی گرہیں اس سے کھل جائیں گی۔

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۴۳۴/۱۱/۰۸ھ ۲۰۱۳/۹/۱۵ء

مقدمہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

تدبیر وتوکل کی ہم آہنگی: تدبیر کے معنی ہیں مثبت ومنفی اسباب اختیار کرنا، مثبت اسباب: یعنی نفع اندوزی کے ذرائع اختیار کرنا، اور منفی اسباب یعنی مضرت کے اسباب سے بچنا، یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا سبب بنایا ہے اور یہ اسباب اختیار کرنے (اپنانے) کے لئے پیدا کئے ہیں۔

اور توکل کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا، کیونکہ اسباب مؤثر حقیقی نہیں، تمام امور کا آخری سرا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی مسبب الاسباب ہیں، پس مؤمن اسباب اختیار کرتا ہے، مگر اس پر تکیہ نہیں کرتا، اس کا اعتماد اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والی ذات پر ہوتا ہے، اور کافر کا اعتقاد اسباب پر ہوتا ہے، وہ اسباب ہی کو کارگر سمجھتا ہے، مالک الملک کی ذات پر اس کا اعتماد نہیں ہوتا۔

غرض: تدبیر وتوکل میں ہم آہنگی (اتفاق) ہے، دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں، پس جو اسباب کو سب کچھ سمجھتا ہے وہ مومن نہیں ہوسکتا، اور جو اسباب کو کنڈم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کام اعمال سے بنے گا، اسباب تو صرف ہمارے امتحان کے لئے ہیں ایسا کہنے والا اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہے۔

اور تدبیر وتوکل کی ہم آہنگی کا بہترین درس حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزدگان کے واقعہ میں ہے، سورہ یوسف میں ارشاد پاک ہے:

قَالَ یٰبَنِیَّ لاتَدْخُلُوا مِنْ بَّابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَه، وَمَا اُغْنِیَ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔ (سورہ یوسف آیت ۶۷)

ترجمہ وتفسیر: برادرانِ یوسف بنیامین کو لے کر مصر روانہ ہور ہے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ میرے بچو! ایک دروازہ سے داخل مت ہونا، شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا تا کہ لوگوں کی نظر میں نہ آجاؤ، یعقوب علیہ السلام پہلے یوسف کا صدمہ اٹھا چکے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ احتیاط کی ہر ممکن تدبیر کرلیں۔

مگر احتیاطی تدبیر بتاتے ہوئے یعقوب علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی آفت میں تم سے ٹال نہیں سکتا، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے، انہی پر میرا بھروسہ ہے، اور بھروسہ کرنے والوں کو انہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، میری نصیحت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تم میری بتائی ہوئی تدبیر پر تکیہ کرلو، میں تمہیں اس آفت سے نہیں بچا سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہے، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے، ان کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی، جو کچھ مقدر ہے وہ پہنچ کر رہے گا، خود میرا اعتماد بھی اللہ تعالیٰ پر ہے، میری بتائی ہوئی تدبیر پر نہیں، اور ہر مؤمن کو تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنی چاہئے، پھر کیا ہوا؟ ارشاد پاک ہے:

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضَاهَا وَاِنَّه' لَذُوْعِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لایَعْلَمُوْن (سورہ یوسف آیت ۶۸)

ترجمہ وتفسیر: پھر جب صاحبزادگان اپنے والد صاحب کی ہدایت کے مطابق مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے تو والد ماجد کا ارمان پورا ہو گیا، وہ تدبیر

بتلا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی آفت ان سے ٹال نہیں رہے تھے بلکہ ان کے دل میں ایک ارمان تھا جسے انہوں نے پورا کرلیا، اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی وجہ سے یقیناً صاحبِ علم تھے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔

یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تدبیر بتلاتے ہوئے جس حقیقت کا اظہار کیا تھا اتفاقاً ہوا بھی ایسا ہی، تدبیر دھری کی دھری رہ گئی، تقدیرِ الٰہی سے جو حادثہ پیش آنے والا تھا وہ آکر رہا، یعنی بنیامین مصر میں روک لئے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدبیر تقدیر کو ٹالنے کے لئے تھی بھی نہیں، وہ تو بس ایک دینی ضرورت اور مومن کا ارمان تھا جو انہوں نے پورا کرلیا۔

اور وہ دینی ضرورت کیا تھی؟ وہ ضرورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور یقین کے ساتھ اسباب ظاہری کو احتیاطی تدبیر کے طور پر اختیار کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بدو نے پوچھا تھا کہ وہ اپنے اونٹ کا زانو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے یا اس کو کھلا چھوڑ دے اور اللہ پر بھروسہ کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا زانو باندھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر''۔

یہ دونوں منفی پہلو سے اسباب اختیار کرنے کی مثالیں ہیں۔

اور مثبت پہلو سے اسباب اختیار کرنے کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں دوہری زرہ پہنی تھی، کیونکہ معرکہ سخت تھا اور انبیاء جس بات کی امت کو تعلیم دیتے ہیں اس کو خود بھی اختیار کرتے ہیں، ان کی کتابِ زندگی اور کتابِ دعوت میں کمال مطابقت اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ تدبیر وتوکل کے درمیان جو توازن حضرت یعقوب علیہ السلام کی نصیحت میں پایا جاتا ہے وہ دراصل علم کا فیضان تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہوا تھا، چنانچہ انہوں نے ایک طرف عالمِ اسباب کے قوانین کے مطابق تمام تدبیریں

کیس جو بنیامین کی حفاظت کے لئے ضروری تھیں اور دوسری طرف یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہی کہ کوئی بھی انسانی تدبیر مشیت الٰہی کے بغیر کارگر نہیں ہوسکتی، پس مومن کا بھروسہ اپنی تدبیر پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی مدح فرمائی کہ اِنَّــهٗ لَـذُوْ عِـلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی باتوں میں اور کاموں میں تدبیر وتوکل کا جو صحیح توازن پایا جاتا تھا وہ تعلیم خداوندی کا نتیجہ تھا، مگر جن لوگوں کے ذہن پر ظاہر کا غلبہ ہوتا ہے وہ توکل سے غافل ہوکر تدبیر کو سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جن کے تصورات پر باطن چھاجاتا ہے وہ تدبیر سے بے پرواہوجاتا ہے، حالانکہ مومن کا صحیح مقام دونوں کے درمیان ہے۔

اسباب کے اقسام واحکام: زیر نظر رسالہ کے مقدمہ میں یہ مضمون تفصیل سے آیا ہے کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں قطعی، ظنی اور وہمی، قطعی اسباب کا اختیار کرنا فرض ہے، مسئلہ ہے کہ کوئی بھوکا کھانا تلاش نہ کرے یا کھانا موجود ہے اور نہ کھائے اور بھوکا مرجائے تو وہ گنہگار ہوگا............اور ظنی اسباب جیسے شفا کے لئے علاج معالجہ کرانا سنت ہے، ایسے اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں، اس پر ثواب ملے گا، لیکن اگر کوئی یہ اسباب اختیار نہ کرے تو گنہگار نہ ہوگا، انہیں اسباب ظنیہ میں وہ رقئے اور عملیات بھی شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام یا ازواج مطہرات سے منقول ہیں کہ ان کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں.......اور وہمی اسباب کا ترک اولیٰ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جاہلی جنتر منتر اختیار کرنے پر اپنی اہلیہ صاحبہ پر نکیر کی تھی، اور حدیث میں ایسے اسباب ترک کرنے پر اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرنے پر بڑی خوش خبری سنائی گئی ہے، ایسے ستر ہزار لوگ یعنی بے شمار لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے، رہے ناجائز جنتر منتر تو وہ قطعاً حرام ہیں، وہ وہمی اسباب میں داخل نہیں۔

میں نے حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مجدہم (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے زیرنظر رسالے کا مقدمہ بغور پڑھا جو قیمتی مضامین پر مشتمل ہے، رہا اصل رسالہ تو وہ حکیم الامت قدس سرہ کے تبرکات ہیں ان کو مختلف مظان سے چن چن کر دسترخوان سجانا مفتی صاحب کا کمال ہے۔

تصانیف تو چونکہ موضوع وار ہوتی ہیں اس لئے ان سے مضامین تلاش کرنا آسان ہوتا ہے، مگر مواعظ وملفوظات کی صورت حال دوسری ہوتی ہے ان میں مضامین موتیوں کی طرح بکھرے ہوتے ہیں، اس لئے ان کو کسی لڑی میں پرونے کی شدید حاجت تھی تا کہ ان کو عقد الجید بنایا جاسکے، مجھے خوشی ہے کہ جناب مولانا محمد زید صاحب زید مجدہم نے محنت شاقہ برداشت کر کے ان مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کر دیا ہے، ان کی اس سلسلہ کی متعدد کتابیں مقبول عام وخاص ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو بھی ان میں شامل فرمائیں، اور امت کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

تبلیغ میں مشغول حضرات اپنے کام میں غلو کرتے ہیں، اور اسباب کو سرے سے کنڈم کرتے ہیں، ان کا یہ طرز عمل صحیح نہیں، یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے اسباب اسی لئے بنائے ہیں کہ ان کو اختیار کیا جائے، پھر اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہو واللہ الموفق۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دارالعلوم دیوبند
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

تقریظ عالی

شیخ طریقت حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہٗ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ' ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم امابعد!

اسلام میں بدعت کو اس لئے سخت جرم قرار دیا کہ وہ تحریفِ دین کا راستہ ہے، امم سابقہ میں یہی ہوا کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تعلیمات پر اپنی طرف سے من مانے اضافے کر لئے اور ہر آنے والی نسل ان میں اضافے کرتی رہی، یہاں تک کہ یہ بھی پتہ نہ رہا کہ اصل دین کیا تھا اور لوگوں کے اضافے کیا ہیں، حضرات علماء نے اپنی کتابوں میں ''تحریفِ دین کے اسباب'' تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، ان اسباب میں سے دین کے بارے میں تعمق وتشدد یعنی غلو فی الدین کو بڑا سبب قرار دیا، مگر صد افسوس ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر اہتمام اور شریعت کی اتنی پابندیوں کے باوجود آج امت مسلمہ اس غلو کی بری طرف شکار ہے، دین کے سارے ہی شعبوں میں قدر مشترک اس کے آثار نمایاں ہیں۔

ہمارے دور میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی قائم کردہ تبلیغی جماعت نے ماشاء اللہ دین کی دعوت کو عام کرنے اور عامۃ الناس کو دین سے قریب لانے میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ کسی بھی باخبر انسان سے مخفی نہیں ہے، صرف برصغیر میں نہیں، بلکہ غیر مسلم ممالک میں مشرق سے مغرب تک ہر جگہ ماشاء اللہ جماعت کا کام روبہ ترقی ہے۔

چونکہ جماعت اور اس کے کام سے بحمداللہ محبت بھی ہے اور اس کے فوائد اور دوررس نتائج کا احساس بھی ،اس لئے جماعت یااس کے کارکنوں کی طرف سے کوئی بات اعتدال سے متجاوز سامنے آئے تو اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات کو بمقتضائے ''**الدين النصيحة** ''اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کریں،الحمدللہ علماء دیوبند کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ ان کی طرف منسوب کوئی تحریک یافرد ''جادۂ اعتدال'' سے ہٹ جائے تو وہ اس کی اصلاح کے لئے فکر مند ہوجاتے ہیں تا کہ علماء دیوبند کا مسلک کسی غلط نظریہ سے ملتبس نہ ہونے پائے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے آزادی ہند کے لئے جو جدوجہد کی ،مقتدر علمائے دیوبند کی ایک جماعت نہ صرف اس کی مداح رہی، بلکہ ان کے ساتھ اتحاد وتعاون بھی کیا،لیکن مولانا آزادؒ نے بعض مسائل میں جب جمہورامت سے الگ راستہ اختیار کیا تو علمائے دیوبند ہی نے ان کی تردید میں مفصل مقالے لکھے۔

اسی طرح حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ حضرت شیخ الہند کی تحریک کے رکن رکین رہے ہیں اور آزادیٔ ہند کے لئے انہوں نے بے مثال قربانیاں دی ہیں،آخری دور میں انہوں نے بعض ایسے نظریات کی تبلیغ شروع کردی جو جمہور علمائے امت کے خلاف بلکہ نہایت خطرناک اور زائغانہ تھے ،ادھر چوں کہ علمائے دیوبند کی جدوجہد آزادی میں برابر مولانا سندھی کا نام آرہا تھا،اس لئے خطرہ تھا کہ ان کے نظریات علمائے دیوبند کی طرف منسوب ہوں،اسی وقت علمائے دیوبند نے ان کے نظریات کی تردید میں مقالے تحریر فرمائے۔

ہمارے علماء کے ''جادۂ اعتدال'' پر چلتے ہوئے مکرم ومحترم مفتی محمد زید صاحب مظاہری زیدفضلہ نے کتاب ''اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ'' اور ''دعوت وتبلیغ سے متعلق چندضروری اصلاحات'' مرتب فرمائی ہے،موصوف حکیم الامت حضرت

تھانویؒ کے افادات کی تلخیص وترتیب کا کام مدت سے انجام دے رہے ہیں، زیرنظر کتاب میں موصوف نے حضرت تھانویؒ کی مختلف کتابوں سے اسباب توکل اور تدابیر کا ایسا مفہوم حقیقی واضح فرمایا جو افراط وتفریط سے پاک ہے، امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ بےاعتدالیاں کرنے والے لوگوں کی ذہنی گرہیں کھل جائیں گی۔

اخیر میں بمقتضائے ''وتواصوا بالحق'' ایک بزرگ کی قیمتی نصیحت تحریر کرتا ہوں:

''ایک دفعہ امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے شرف ملاقات کے لئے ''شیرانوالہ'' مسجد میں تشریف لائے، حضرت لاہوریؒ سے ملاقات ہوئی، بعض دوسرے جلیل القدر علماء بھی موجود تھے، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض ایمان افروز واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کی زندہ کرامات کی اس سے بڑی علامت اور کیا ہوسکتی ہے کہ جن لوگوں کا غرورِ نفس اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے کا پانی لینے میں ایک عار محسوس کرتے تھے، وہ تبلیغ دین کے لئے قریہ قریہ، بستی بستی، اپنے کندھوں پر بستر اٹھائے ہوئے پھرتے ہیں''۔

حضرتؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا:

''ایک بات یاد رکھیں کہ کسی حق پرست جماعت کا باطل پرستی کی طرف پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ ہمارے سوا دوسری کوئی دینی جماعت حق پر نہیں ہے اور ہماری

جماعت کی بقا دوسروں کی فنا ہی کی صورت میں ہوسکتی ہے۔ دیکھنا!
آپ کی جماعت میں کہیں یہ احساس وتأثر پیدا نہ ہوجائے ہم تو ہر
آن آپ حضرات کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ! مولانا محمد الیاسؒ
کے اس گلشن تبلیغ کو ہمیشہ ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے''۔
(حسن تدبیر، شیخ الحدیث نمبر ص ۴۰۲)

دعا گوہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مفتی محمد زید صاحب کی مساعی جمیلہ کو بے حد شرف قبولیت عطا فرمائے اور جن نیک مقاصد کے خاطر کتاب ترتیب دی ہے ان کو علی وجہ الاتم عام وتام فرمائیں، ان کا یہ کارنامہ صحیفۂ اعمال میں انشاءاللہ ہمیشہ درخشاں رہے گا اور کیا عجب ہے کہ اسباب وتوکل کا یہ بیانِ اعتدال میزان عدل میں بھی وزنی ثابت ہو۔ موصوف تمام علمائے دیوبند کی طرف سے مبارک بادی کے مستحق ہیں۔

فقط
املاً ہ احقر احمد عفی عنہ خانپوری
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

عرض مرتب

اس رسالہ کے لکھنے کی وجہ

الحمدللہ اس وقت امت میں دینی رجحان بہ نسبت پہلے کے غالب ہے، تبلیغی جدوجہد کی وجہ سے امت کا بڑا طبقہ دین سے جڑا ہوا ہے اور الحمدللہ امت کو بہت فائدہ ہورہا ہے اس لئے اس تبلیغی کام کی قدر دانی اور حفاظت بہت ضروری ہے، شیطان تو اس بات کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح دینی کام میں نقصان ہوجائے اور دینی کام صراط مستقیم یعنی راہ اعتدال سے ہٹ جائے ،اور لوگ دین کے نام پر افراط وتفریط اور غلو وکوتاہی کا شکار ہوجائیں ،اور جس طرح گذشتہ قومیں (جن کی شان میں کہا گیا ہے يٰـاَهْلَ الْكِتَابِ لاَ تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ اے اہل کتاب دین میں غلومت کرو) غلو میں مبتلا ہوکر گمراہ اور تباہ وبرباد ہوگئیں اسی طرح شیطان اس امت کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

حدیث شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ بعض صحابہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے ، یہ معلوم ہونے پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سوتے بھی ہیں ،حقوق بھی ادا کرتے ہیں آپ کی عبادت کو گویا کم سمجھا،اور یہ کہا کہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں آپ کو مجاہدہ کی کیا ضرورت ،ہم کو مجاہدہ کرنا چاہئے ،ایک نے کہا کہ میں رات میں کبھی سوؤں گا نہیں رات بھر عبادت کروں گا ،ایک نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا ،ایک نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا ،عورتوں سے علیحدہ رہوں گا ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں ، میں رات کو سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں ، میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں ، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں یہ میرا طریقہ ہے، جو

میرے طریقے سے اعراض کرے گا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں [۱]

آپ نے امت کو دین میں غلو سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

دین وشریعت میں غلو کرنے کی اجازت نہیں چنانچہ ارشاد ہے **یَـــــااَهْـــلَ الْـكِتَابِ لاتَغْلُوْ فِیْ دِیْنِكُمْ** اورارشاد ہے **لا تُـحَـرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَااَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْن** (پ۷ سورہ مائدہ)

(ترجمہ) اے یمان والو! اللہ تعالیٰ نے پاک ولذیذ چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں انہیں حرام مت کرو، اور حدود کے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ (بیان القرآن)

اس کے بعد مذکورہ بالا واقعہ نقل کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

دیکھئے! ان لوگوں پر غلو فی الدین کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا تشدد فرمایا کہ ایسے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، آگے فرماتے ہیں:

ایسا ہی ایک اور واقعہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان میں ایک رسّی بندھی ہے آپ نے دریافت کیا کہ یہ رسّی کیسی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا رسی زینب نے باندھی ہے، جس وقت ان کو نوافل پڑھتے پڑھتے نیند ستاتی ہے تو کسل (سستی اور نیند) ختم کرنے کے لئے اس پر سہارا لگا لیتی ہیں آپ نے یہ سن کر فوراً اس کو توڑ ڈالا اور فرمایا کہ نفس پر اتنا تشدد (سختی) نہ کرنا چاہئے اور فرمایا کہ جب نیند آئے سو رہو، جب کسل رفع ہو جائے (سستی ختم ہو جائے) پھر مشغول ہو جاؤ، شریعت تو یہ ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ تقویٰ وطہارت مت کرو، بلکہ تقویٰ طہارت میں تو خوب کوشش کرو مگر حد سے آگے نہ بڑھو [۲]

[۱] بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف عن انس، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، مرقاۃ ص ۳۴۳ ج ۱
[۲] احکام المال ملحقہ التبلیغ ص ۶۹ ج ۱۰

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاتَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص اچھا عمل کرتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو احسن عمل کے لئے پیدا فرمایا ہے اور احسن عمل (یعنی اچھے اور مقبول عمل) کی تفسیر امام رازیؒ نے یہ نقل فرمائی ہے کہ جس میں دو باتیں ہوں وہ احسن عمل کا مصداق ہے ایک یہ ہے کہ وہ عمل شریعت کے دائرہ میں مسئلہ کے موافق، سنت کے مطابق ہو، اور دوسری بات یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ یعنی اللہ واسطے ہو، ان دو میں سے اگر ایک میں بھی کمی ہوگی تو وہ عمل احسن عمل کا مصداق نہ ہوگا اور نہ عنداللہ قابل قبول ہوگا اور نہ ہی نجات کا ذریعہ ہوگا، یعنی کوئی عمل خواہ کتنے ہی اچھے جذبہ اور کامل اخلاص سے کیا جائے لیکن اگر وہ حدود شرع سے ہٹ کر ہو تو وہ عنداللہ قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ غلو کا مصداق اور گمراہی کا راستہ ہوگا۔

العمل اذا کان خالصاً غیر صواب لم یقبل و کذالک اذا کان صوابا غیر خالص، فالخالص ان یکون لوجه الله والصواب ان یکون علی السنة ،والقول والعمل والنیة لم تقبل مالم توافق السنة[1]

اس نوع کی یعنی غلو آمیز گمراہیاں عموماً جہالت کے نتیجہ میں آتی ہیں اس لئے صحیح علم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اس وقت دین کے مختلف شعبوں میں بہت سی خامیاں، کوتاہیاں اور مختلف قسم کے قابل اصلاح امور پائے جاتے ہیں اور اللہ کے خاص بندے ان کی اصلاح کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ میں بھی اس وقت بعض قابل اصلاح امور اور مختلف قسم کی راہ اعتدال

---

[1] تفسیر کبیر للرازی ص ۲۴۳ ج ۸، ارشاد الطالبین مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ص ۲۸

سے ہٹی ہوئی بہت باتیں ایسی ہیں جو اسی نوع کی ہیں جن کا تذکرہ ماقبل میں ہوا یعنی غلو اور تعدی والی کہ دین کے نام پر حسن نیت سے غایت درجہ عقیدت وعظمت کے ساتھ ایسے امور کو اختیار کرنا جو صراط مستقیم اور راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہوں۔

بعض لحاظ سے اس نوع کی کوتاہیاں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہیں جو دین کے رنگ میں ہوتی ہیں اور جن کی قباحت اور حدود سے تعدی کی طرف لوگوں کا ذہن نہیں جاتا، ظاہر بات ہے کہ وہ بیماری زیادہ خطرناک اور مہلک ثابت ہوتی ہے جس میں مریض شدت مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے کو قوی وصحت منداور علاج سے مستغنی سمجھتا ہو اور مہلک بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود بالکل قانع ومطمئن اور شکر گذار ہو، غلو اور افراط والی گمراہیاں اسی نوع کی ہوتی ہیں، بدقسمتی سے علم کی کمی کے سبب دعوت وتبلیغ میں بھی اس وقت اسی نوع کی خرابیاں شامل ہورہی ہیں بطور نمونہ کے چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔

دعوت وتبلیغ میں غلو کی چند مثالیں

(۱) ہمارے بہت سے واعظین ومبلغین بڑی قوت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ''اپنے ایمان ویقین کو پختہ اور مضبوط بناؤ اور کمال ایمان ویقین کا معیار انہوں نے اپنی طرف سے یہ مقرر کرلیا ہے کہ اللہ سے ہونے کا یقین اور غیر اللہ سے نہ ہونے کا یقین دل میں پیدا ہوجائے اور اسباب کا یقین دل سے بالکل نکل جائے، اسباب تو محض ہمارے امتحان کے لئے ہیں، غیروں کے اطمینان کے لئے ہیں، اسباب پر اللہ کا کوئی وعدہ نہیں، اپنے مسائل اعمال اور دعا سے حل کراؤ، اسباب خواہ اللہ کے بنائے ہوئے ہوں یا بندوں کے بنائے ہوئے، جب تک دونوں قسم کے اسباب کا انکار نہ کروگے ایمان کامل نہیں ہوسکتا''۔

شریعت نے اسباب کا جو درجہ متعین کیا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)اور جن موقعوں پر اسباب اختیار کرنے کی ہدایت اور تاکید کی ہے جہالت کے نتیجہ میں اس سے تو ان سب کا انکار بھی ہوجاتا ہے بس صرف ایک ہی پہلو ذہن میں غالب رہتا ہے، پھر اس بات کو مضبوط اور ثابت کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے اسی نوع کے قصے بیان کئے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ:

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایمان کامل نہیں تھا کیونکہ ان کا یقین ان کی اپنی لاٹھی اور عصا پر تھا، ان کے ایمان کو بنانے کے لئے اور دل سے اسباب واشیاء کا یقین ختم کرنے کے لئے ان سے کہا گیا **اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى فَاَلْقَاهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى**، اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے دل سے اسباب واشیاء کا یقین نکالا گیا۔

(۳) اور مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل خانے میں قیدی سے کہا کہ اپنے آقا سے جاکر میرا بھی تذکرہ کردینا **اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ**۔۔۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چونکہ غیر اللہ کی طرف توجہ کی اور غیر اللہ سے مدد چاہی جس کے نتیجہ میں مزید سات سال ان کو بطور سزا کے جیل میں رہنا پڑا، ایک بڑے شہر کے تبلیغی مرکز میں بعض اہل علم نے یہ بات اپنے بیان میں فرمائی۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی غیر اللہ سے یعنی درخت کی پناہ لی تھی جو شائبہ شرک تھا جس کے نتیجہ میں ان کو آرہ سے چِروادیا گیا، اور ان پر اللہ کی طرف سے عتاب ہوا، یہ بات بھی بعض اہل علم مبلغین نے مجمع میں بیان فرمائی۔

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ملاقات ومناجات کے لئے امت کو چھوڑ کر خلوت میں چلے گئے، اس مدت میں دعوت وتبلیغ کا کام بند رہا جس کے نتیجہ میں ارتداد پھیل گیا۔

(۵) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین

رنج وغم اور سکتے کے عالم میں تھے اس مدت میں دعوت وتبلیغ کا کام بند رہا جس کی وجہ سے ارتداد پھیل گیا، مدینے پاک سے نبی گئے، دعوت گئی اور ارتداد آیا۔

(۶) خلفائے راشدین کے بعد سے امت نے دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جوکوتاہی کی ہے اور اس سے امت کو جو نقصان پہونچا ہے اس کی تلافی اب تک نہیں ہوسکی۔

(۷) بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں اور کہتے بھی ہیں کہ اصل کام بس یہی دعوت وتبلیغ ہی ہے اس راہ میں نکلے بغیر نہ ایمان کامل نہ نجات کی توقع، نجات منحصر ہے اسی میں، اس کام کی حیثیت اس وقت لفٹ الٰہی اور کشتئ نوح کی ہے، اس کام میں لگے بغیر وصول الی اللہ مشکل، اور اس کشتی میں سوار ہوئے یعنی اس کام میں لگے بغیر نجات بھی ناممکن، اصحاب علم وفضل اور ارباب افتاء وقضاء اور ائمہ مساجد واہل مدارس بھی پورے طور پر اگر اس کام سے وابستہ اور منسلک نہیں تو ان کا بھی ایمان کامل نہیں، اور نہ وہ خود معتمد اور قابل اعتناء اور نہ ہی ان کی دینی خدمات قابل ستائش، اور وہ سخت خطرے میں۔

(۸) اس کام کے فضائل بیان کرتے ہوئے بعض لوگوں کی زبان مبارک سے احقر نے خود سنا کہ اس راہ میں نکل کر دوران گشت جو ہوا داعی کے جسم سے لگ کر کسی درخت کے پتے کو لگ جائے اور وہ پتہ نیچے گرے پھر اس پتے کو جو بکری کھالے اور اس بکری کا جو دودھ پی لے یا گوشت کھالے اس کی بھی نجات ہوجائے گی۔ استغفر اللہ۔

(۹) ایک صاحب بیان فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ محمد سے پوچھو کہ عرش الٰہی افضل ہے یا تم؟ کلام الٰہی افضل ہے یا تم؟ دین اسلام افضل ہے یا تم؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ عرش الٰہی وکلام الٰہی سے میں افضل ہوں لیکن دین اسلام مجھ سے افضل ہے کیونکہ دین کی خدمت اور اس کی تبلیغ کے لئے مجھ کو بھیجا گیا ہے، میں اس کا خادم ہوں وہ مجھ سے افضل ہے، یہ دین وہ ہے کہ اس کے خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو

پٹتے، مار کھاتے، خون بہتے دیکھا لیکن دین مٹتے نہ دیکھا، جب ان صاحب سے پوچھا گیا کہ یہ بات آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

(۱۰) ایک صاحب بیان فرمارہے تھے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے دیکھا کہ نواسے یعنی حضرات حسنین بلک بلک کر رورہے ہیں، پوچھا کیوں رورہے ہیں؟ کہا بھوک سے بے چین ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو دودھ کیوں نہیں پلاتیں؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا میری چھاتی کا دودھ خشک ہوگیا ہے، پوچھا کیوں خشک ہوگیا؟ عرض کیا کہ گھر میں کوئی غذا کھانے کو نہیں، حضور نے پوچھا حضرت علی کہاں ہیں؟ عرض کیا وہ اللہ کے راستہ میں گئے ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیٹی فاطمہ! مجھے یہ گوارہ ہے کہ میرے نواسے بھوک سے روتے اور بلکتے رہیں، اور تیری چھاتی کا دودھ خشک ہوجائے لیکن علی دعوت کے کام کو چھوڑ دیں یہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

(۱۱) ایک صاحب ارشاد فرمارہے تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام جب تک مسجد کے دینی ماحول میں رہیں تو اس قدر ان کا ایمان بنا ہوا تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے یہ فرمانے پر کہ انّٰی لَکِ هٰذا یعنی یہ پھل وغیرہ کہاں سے آ گئے؟ جواب دیا هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ اللہ کے پاس سے، لیکن جب مسجد کے دینی ماحول سے علیحدگی ہوئی تو فرشتے نے کہا اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا یعنی میں اللہ کی طرف سے لڑکے کی بشارت لے کر آیا ہوں تو حضرت مریم کہنے لگیں کیسے میرے لڑکا ہوجائے گا مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا؟ یعنی جب مسجد کے دینی ماحول سے دوری ہوئی تو یقین میں کمی اور ایمان میں یہ کمزوری واقع ہوگئی۔ جس کی وجہ سے یہ جملے کہے۔

(۱۲) ایک جگہ اہل تبلیغ مسافتِ قصر طے کرتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے، نماز

میں قصر کریں یا اتمام اس کے لئے مشورہ ہوا، مشورہ میں یہ تجویز پاس ہوئی اور امیر صاحب نے یہ فیصلہ کیا کہ اتمام یعنی چار رکعت پڑھ لی جائیں، ایک طالب علم بھی اس میں موجود تھا اس نے ٹوکا کہ نہیں یہ تو مسئلہ کے خلاف ہے، قصر کرنا ضروری ہے تو جواب ملتا ہے کہ نہیں مشورہ میں خیر ہے، امیر کی بات مانو، حکم عدولی نہ کرو۔

(۱۳) یہ بات بھی کثرت سے لوگوں کی زبانوں پر ہے کہ جو شخص اذان کا جواب نہ دے گا اس کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہوگا اس کی زبان لڑکھڑا جائے گی، جب پوچھا گیا کہ کہاں سے کہہ رہے ہو تو حوالہ دیا کہ مرکز میں بیان کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(۱۴) ایک بڑا طبقہ نبیوں والا کام صرف مروجہ دعوت وتبلیغ ہی کے کام کو سمجھتا ہے اس کے علاوہ کوئی کام گویا دینی کام اور دینی تبلیغ یا نبیوں والا کام ہی نہیں حالانکہ قرآن کے اعلان کے مطابق (یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ) نبیوں والا کام تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس بھی ہے (اور یہ کام مدرسوں اور خانقاہوں میں ہوتا ہے)۔

نیز بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ کے تحت ہزاروں احکام شرعیہ کا پڑھنا پڑھانا اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ ان کو عام کرنا، تقریروں کے ذریعہ منکرات کی اصلاح کرنا یہ سب تبلیغ ہی کے دائرہ میں اور نبیوں والے کام ہی کے حکم میں آتا ہے لیکن کوتاہ نظری سے ان کاموں کو دینی اور تبلیغی یا نبیوں والا کام نہیں سمجھتا جاتا۔

(۱۵) بہت سے حضرات دعوت وتبلیغ کی اس عملی شکل ہی کو مقصود بالذات اور مقاصد اصلیہ میں سمجھتے ہیں چنانچہ بعض ذمہ داروں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ اذان تشکیل ہے، نماز اللہ کے راستہ میں نکلنے کی ترغیب ہے، نماز کے بعد اللہ کے راستے میں نکلنا ترتیب، اصل دعوت وتبلیغ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تبلیغ وتشکیل کی وجہ سے نمازوں تک کو مؤخر کر دیا کرتے تھے، اس چلت پھرت کی وجہ سے آپ نے صحابہ کے فرض روزوں کو چھڑوا کر اس کام میں بھیجا، غزوہ بدر رمضان میں ہوا جن میں آپ نے

روزوں سے منع فرما کر نکلنے کا حکم دیا۔

بعض اہل علم نے یہاں تک بیان فرمایا کہ عام حالات میں تو حکم ہے کہ نماز کی حالت میں اگر سینہ قبلے سے پھر جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اللہ کے راستہ میں نکل کر جہاد میں صلوٰۃ الخوف میں سینہ بھی قبلہ سے پھر جائے ، چلنا پھرنا بھی ہوجائے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(۱۶) جو اس مروجہ دعوت میں معمول کے مطابق پورے طور پر پروگرام میں شریک نہ ہوں تو سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت کا کام نہیں کرتا، حالانکہ دعوت وتبلیغ کی کوئی بھی شکل ہو خاص وہ شکل مقاصد میں سے نہیں بلکہ وسائل میں سے ہے، وسائل کو مقاصد کا درجہ دے کر پھر اس میں شریک نہ ہونے والے کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا اور اس سے بدگمان ہونا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے، ایک بڑا طبقہ جہالت کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہے۔

(۱۷) ایک صاحب (پرانے کام میں لگے ہوئے) بعد فجر ڈھائی گھنٹہ کا وقت لگانے کی ترغیب دیتے ہوئے اور کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے تھے کہ فجر کی نماز باجماعت کی بڑی اہمیت ہے ٹھیک ہے اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اس میں ناغہ بھی ہوجاتا ہے لیکن ڈھائی گھنٹہ کی یومیہ محنت یہ بہت ہی ضروری ہے اس میں ناغہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

(۱۸) بہت سے حضرات ایک مدت سے مروجہ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے ہوئے اور اپنے کو بڑا کارکن اور مبلغ و مصلح بھی سمجھتے ہیں حالانکہ پچیس برس گذرنے کے بعد بھی اب تک ان کی اذان نماز اور قرآن پاک بھی صحیح تجوید اور سنت کے مطابق نہیں، اور مسائل ضروریہ سے بھی واقفیت نہیں ،نماز جیسی اہم عبادت جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) اس کو درست کرنے اور سنت کے مطابق بنانے میں ایسی غفلت وکوتاہی ،اور دعوت تبلیغ کی خاص شکل جو کہ

محض ذرائع اور وسائل کا درجہ رکھتی ہے اسی کو اصل مقصود سمجھ کر اور اسی پر قانع اور مطمئن ہوکر دوسری ضروریاتِ دین اور اصل مقصد سے غافل ہوگئے۔

(۱۹) بہت سے حضرات یہ سمجھتے اور کہتے بھی ہیں کہ یہ علماء کرام اور اہل مدارس تنخواہ لیتے اور پڑھاتے ہیں نیز چندہ بھی کرتے ہیں، تو یہ دینی خدمت کہاں ہوئی، ان کا تو معاش ہی اس سے وابستہ ہے، دین کی تبلیغ اور خدمت تو اس وقت ہوتی جب کہ فی سبیل اللہ بلاتنخواہ کام کرتے جیسے اہل تبلیغ اپنا مال اپنی جان ووقت کی قربانی دیتے ہیں، یعنی ان کی نگاہوں میں تنخواہ لینا، فی سبیل اللہ دینی خدمت واخلاص اور اجروثواب کے منافی ہے، حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ تنخواہ لے کر دینی خدمت انجام دینا نہ کمالِ ایمان اور اخلاص کے منافی ہے اور نہ ہی تقویٰ وتوکل کے خلاف ہے، نہ ہی اس کی وجہ سے اجروثواب میں کمی آتی ہے، خلفاء راشدین دینی خدمت کی بنا پر وظائف لیتے تھے اور صحابہ کو دیتے بھی تھے، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وظیفہ اور تنخواہ لینے کی بنا پر خلفاء راشدین عادل بادشاہ اور امیر المؤمنین ہونے سے خارج ہوگئے اور قیامت کے روز میدان حشر میں عرش الٰہی کے سائے تلے عادل حکام کو جو جگہ دی جائے گی اس سے یہ حضرات محروم کردیئے جائیں گے یا مؤخر کردیئے جائیں گے کیونکہ وہ تنخواہ لیتے تھے؟

(۲۰) بہت سے حضرات یہ سمجھتے اور کہتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ بس حقیقی جہاد یہی دعوت تبلیغ کا کام ہے، اس کے علاوہ جہاد بمعنیٰ قتال کی ضرورت واہمیت ہی کا صاف انکار، اشاعتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وہ صرف اس کام کو بالکل کافی سمجھتے ہیں اور جہاد بمعنی قتال کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور قرآن پاک میں جہاد کی خاص قسم (فرض عین) نفیر عام کے وقت نہ نکلنے کی صورت میں جو وعیدیں آئی ہیں اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وہ اس دعوت وتبلیغ میں نہ نکلنے والوں پر منطبق کرتے اور ان کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے جو تحریف قرآن کے مرادف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جہاد کے مختلف انواع ہیں، یہ دعوت وتبلیغ کا کام بھی عمومی معنی کے لحاظ سے بعض انواعِ جہاد میں شامل ہے جیسے مدرسہ کے طلبۂ علم بھی اس میں داخل ہیں، لیکن جہاد کی وہ قسم جس کو قرآن کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَال (ترجمہ: اے نبی ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے)

اس کے علاوہ متعدد آیات واحادیث میں اس کا تذکرہ ہے اس کی مشروعیت، اور شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کی فرضیت اہل سنت والجماعت اور تمام فقہاء کا مسلک ہے، جہاد اقدامی بھی اور دفاعی بھی۔[1]

یہ صحیح ہے کہ شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے موجودہ حالات میں ہمارے ملک میں اس جہاد کی اجازت اور اس کا جواز نہیں، لیکن یہ سمجھنا کہ سرے سے اس کی ضرورت ہی نہیں گویا یہ حکم ہی منسوخ ہے سخت غلطی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ناواقفی ہے، اسی طرح جہاد میں نہ نکلنے کی صورت میں جو مذکورہ بالا وعیدیں آئی ہیں ان وعیدوں کو دعوت وتبلیغ میں نہ نکلنے کی صورت میں چسپاں کرنا بہت بڑی غلطی ہے جس میں بہت سے پرانے تبلیغی حضرات مبتلا نظر آتے ہیں۔

بہت سے حضرات کو دعوت تبلیغ میں نہ نکلنے والوں کے متعلق یہاں تک کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ جس طرح یہ حضرات یہاں سے چھانٹ دیئے گئے ہیں کہیں جنت کے دروازے سے نہ چھانٹ دیئے جائیں۔

(۲۱) بہت سے حضرات بڑی قوت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سنئے گئے کہ جو اس کام سے منسلک نہیں ہوگا، قیامت کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی سفارش نہیں فرمائیں گے۔

ایک جگہ تبلیغی جماعت کے اعلان کے بعد لوگ شریک نہ ہوئے، اٹھ کر چل

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اوجز المسالک شرح موطا مالک، تکملہ فتح الملہم شرح مسلم کتاب الجہاد

دیئے، انہوں نے اپنی تبلیغ میں کہا کہ جس طرح یہ لوگ منہ موڑ کر اٹھ کر چل دیئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ان سے منہ موڑ لے گا۔

(۲۲) ایک شہر کے تبلیغی مرکز میں ایک عالم صاحب نے عام مجمع میں بیان فرمایا کہ:

دین میں اصل تو خروج ہے، اس کام کا کوئی بدل نہیں جیسے مسواک کرنا سنت ہے منجن اور پیسٹ مسواک کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، اسی طرح دین کے دوسرے کام اس کام کے قائم مقام نہیں ہوسکتے یہ کام اصل ہے اور اس وقت فرض عین ہے۔

(۲۳) بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ دین حق کی تبلیغ مخصوص اعمال اور مخصوص طریقہ ہی میں منحصر ہے اگر اس خاص طریقے سے ہٹ کر تبلیغ کی جائے تو وہ تبلیغ تبلیغ نہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ اہل علم واہل مدارسہ سے بدگمان اور بدزبان تک ہونے لگے ہیں، یہاں تک سمجھنے لگے ہیں اور بعض موقعوں پر اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ علماء اور مشائخ تبلیغ نہیں کرتے، علماء اور مدارس کی ہم کو ضرورت نہیں، اصل کام اور اصل تبلیغ بس صرف یہی ہے، اور یہی نبیوں والا کام ہے اور بس، حالانکہ کتنی موٹی اور واضح بات ہے کہ نفس تبلیغ کا حکم تو قرآن پاک میں دیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

یَاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ (پ۶ سورہ مائدہ)

یعنی اے نبی جو کچھ بھی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے سب کی تبلیغ کر دیجئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں جتنے امور اور جتنے احکام بھی نازل کئے گئے ہیں ان سب کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اب یہ دیکھ لیا جائے کہ قرآن پاک میں کتنے اور کون کون سے احکام نازل کئے گئے ہیں .... ان میں بہت سے احکام تو

ایسے ہیں جن کو عام لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے مثلاً سود وربوا کے دقیق مسائل یا بہت سے ایسے مسائل واحکام جن کی عام جلسوں اور مجمعوں میں تبلیغ نہیں کی جاسکتی مثلاً عورتوں کے مخصوص مسائل وغیر ذالک، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام میں وہ بھی شامل ہیں، اس نوع کے ہزاروں مسائل واحکام شرعیہ ہیں جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں اور جن کی تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ مروجہ طریقہ تبلیغ کے مطابق ان احکام کی تبلیغ نہیں کی جاسکتی، اس نوع کے احکام شرعیۃ کی تبلیغ اور ان کی حفاظت علماء کرام کے ذریعہ کتابوں کی تدریس وتعلیم کے واسطے سے مدرسے کی چاردیواری کے اندر ہی ہوسکتی ہے، یہی وہ تبلیغ وتعلیم ہے جس کے متعلق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مسئلہ اور شرعی حکم کا سمجھ لینا اور سمجھا دینا گو اس وقت عمل کا نہ ہو ہزار رکعت سے افضل ہے۔

یاابـاذر لان تـغـدو فتعلم آیة من کتاب الله خیر لک من ان تصلی مـائة رکعة ،ولان تغدو فتعلم بابا من العلم عمل به اولم یعمل خیر من ان تصلی الف رکعة [۱]

ترجمہ: اے ابوذر اگر تم صبح جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لوتو نوافل کی سو رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب علم کا سیکھ لو خواہ وہ اس وقت عمل کا ہو یا نہ ہو (مثلاً تیمّم کے مسائل) تو ہزار رکعات نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔[۲]

بطور نمونے کے غلو اور حدود سے تعدی کی یہ صرف چند مثالیں عرض کی ہیں جو یقینی طور پر احقر کے علم میں آئی ہیں، ممکن ہے بعض علاقوں میں نہ ہوں یا دوسرے انداز کی ہوں، اگر ان کی تفصیلات کو جمع کیا جائے تو ضخیم رسالہ تیار ہو جائے۔

خدانخواستہ ان سب کے ذکر کرنے کا مقصد اس کام پر تنقید یا اس کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں بلکہ حضرات اہل علم اور اصحاب تبلیغ کے اکابر ومصلحین امت کو توجہ دلانا مقصود ہے۔

---

[۱] ابن ماجه حدیث ۲۱۹ [۲] منتخب احادیث ص ۳۰۱

دعوت وتبلیغ یعنی اللہ کے راستہ میں نکل کر اگر اجر وثواب کی زیادتی ہے تو کسی معصیت اور حدود سے تعدی کے ارتکاب کا گناہ بھی شدید ہے۔

دعوت وتبلیغ کا موضوع امر بالمعروف، نہی عن المنکر ہے، بلاشبہ یہ کام بہت ضروری ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔(پ۴ سورہ آل عمران)

ترجمہ: اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی ضروری ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے یعنی معروفات کو پھیلائے اور منکرات کو روکے۔

اب یہ کام اہل علم کا ہے کہ وہ معروفات ومنکرات کی توضیح کرتے ہوئے امت کو اس بات سے باخبر اور متنبہ کریں کہ منکرات کے دائرہ میں کون کون سے امور آتے ہیں جن میں آج امت مبتلا ہے اور جن کی اصلاح ضروری ہے، اس موضوع سے متعلق محدثین نے جو کتابیں لکھی ہیں مثلاً علامہ ذہبیؒ کی ''الکبائر'' اور حافظ ابن حجرؒ کی ''**الزواجر عن اقتراف الکبائر**'' وغیرہ جن میں کبائر اور منکرات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح ان محدثین کی کتابیں جنہوں نے حروف تہجی کے اعتبار سے حدیثیں جمع کی ہیں ان میں نہی یا منع یا لعن **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** کے صیغوں سے بہت سی حدیثیں پائی جاتی ہیں، ان جیسی ساری حدیثوں کو پیش نظر رکھیں اور دوسری طرف امت کا جائزہ لیں اور جو جو امور منکرات ومنہیات ومعاصی کے دائرہ میں آتے ہیں ان سے امت کو آگاہ کریں اور اصلاح کی کوشش کریں، یہ سب دعوت وتبلیغ کے دائرہ میں آتا ہے اور یہ کام علماء ہی کے کرنے کا ہے۔

علمائے کرام کی خدمت میں عاجزانہ گذارش

علماء کرام کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ:

آپ حضرات نبی کے وارث اور جانشین ہیں، آپ امت کے رہبر اور قائد ہیں، آپ کی فضیلت دوسروں پر ایسی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت ادنیٰ امتی پر۔

آپ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں آپ کے لئے استغفار کرتی ہیں، آپ میں کا ایک ایک فرد شیطان پر ہزار عابدوں کے مقابلے میں بھاری ہے۔[1] آپ میں کے ایک ایک فرد کا اللہ کے یہاں جو مقام ہوگا اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے!

''ابن ماجہ اور بیہقی میں بروایت عثمانؓ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اول انبیاء علیہم السلام گنہگاروں کی شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہدا'' شہدا کی شفاعت ستر گنہگاروں کے حق میں قبول کی جائے گی (تفسیر مظہری ۸۴/۵)

اور علماء کی شفاعت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ:

''قیامت کے روز عالم سے کہا جائے گا کہ آپ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر سکتے ہیں اگر چہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر ہو''۔[2] اخرج الدیلمی عن ابن عمر موقوفا یقال للعالم اشفع فی تلامذ تک ولو بلغت عدد نجوم السماء (تفسیر مظہری ۸۴/۵)

فائدہ: حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: (شریعت میں) استاد عام ہے سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتلانے والے اور ابتداءً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے اور اصلاح نفس کے طریقے بتلانے والے یعنی پیر (ومرشد) کو، اسی طرح شاگرد عام ہے تلمیذ متعارف، اور دینی سوال کرنے والے اور مرید کو بھی۔[3]

---

[1] ترمذی، احمد، مشکوٰۃ شریف ۳۴/۱ [2] دیلمی عن ابن عمر معارف القرآن پ۱۵ ۵۰۷/۵ [3] اصلاح انقلاب ۲۷۶/۱

یہ سب اس واسطے کہ آپ حاملِ علوم نبوت اور جانشین نبی ہیں جن کی شان میں یہ وارد ہوا ہے **ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین**[1]

یعنی آپ دین میں غلو کرنے والوں اور تحریف کرنے والوں کی اصلاح کرتے ہیں ، اہل باطل کے باطل دعووں کا ابطال کرتے ہیں ، جاہلوں اور نادانوں کی غلط تشریحات وتوجیہات کی خرابی بیان کرتے اور اس کی اصلاح کرتے ہیں ، بہر صورت آپ امت کے پاسباں ، محافظ ، اور نگراں ہیں ، آپ کا مقام حضور نے بیان فرمایا ہے کہ آپ میں کا ایک فرد ہزار غیر عالم عابدوں ، زاہدوں ، مبلغوں پر بھاری ہے ، اس لحاظ سے آپ کی ذمہ داری بہت بڑھی ہوئی ہے ، آپ کا کام امت کو لے کر چلنا ہے اور امت جن غلطیوں اور کوتاہیوں میں مبتلا ہے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے۔

اس وقت اہل مدارس اور علماء کرام کا بڑا طبقہ بھی الحمدللہ دعوت وتبلیغ سے منسلک اور لگا ہوا ہے (اور ان کا لگا ہونا ضروری بھی ہے لیکن اپنی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ) بلا شبہ اس دعوت وتبلیغ سے ہزاروں نہیں لاکھوں ، کروڑوں کی اصلاح ہوئی ہے اور ہو رہی ہے ، کتنے گنہگاروں نے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ سے رشتہ جوڑا ، شرابیوں کی شراب ، جواریوں کی جوئے ، بدکاروں کی بدکاری چھوٹی ، واقعہ یہ ہے کہ امت میں عمومی پیمانے پر دینی بیداری کے لئے اس عظیم الشان کام کا کوئی بدل ہمارے پاس نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس جماعت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

”یہ ایک حقیقت اور مشاہدہ ہے کہ تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے اس زمانہ کی ایک سرگرم متحرک دینی جماعت ہے۔۔۔جس کی نقل وحرکت سے ہزاروں کی زندگی میں ایک دینی انقلاب آگیا ، مسجدیں آباد ہوئیں ، تعلیم کے حلقے قائم ہوئے ، اخلاق ومعاشرہ کی بھی اصلاح ہوئی ، دین کی تعلیم اور دین میں مزید ترقی کا جذبہ پیدا ہوا“[2]

---

[1] مشکوٰۃ شریف کتاب العلم [2] ایک اعلان وشہادت بالحق ملحقہ خطبات علی میاں ص ۹۳ ج ۵

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

تبلیغی جماعت جن اصول کے ساتھ کام کررہی ہے وہ قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف نہیں ہے، اس جماعت سے بحمدہٖ تعالیٰ دینی بیداری لوگوں میں پیدا ہورہی ہے، لاکھوں کی زندگی بنی ہے اور بن رہی ہے......اس جماعت کی محنت سے ویران مساجد آباد ہوئیں، جہاں مسجدیں نہ تھیں وہاں مسجدیں تیار ہوئیں، بے شمار دینی مکاتب قائم ہوئے اور ہورہے ہیں، کلمہ اور نماز کے بغیر جو دفن کردیئے جاتے تھے وہاں بکثرت علماء وحفاظ پیدا ہورہے ہیں۔[1]

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

تبلیغی جماعت تنہا ایک ایسی جماعت ہے جس کے کام سے الحمدللہ دل ہمیشہ خوش ہوتا ہے اور اس جماعت نے ایسی بڑی عظیم خدمت انجام دی ہے جو کسی اور جماعت نے نہیں دی، اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ذریعہ دین کا کلمہ کہاں سے کہاں پہونچادیا۔[2]

جماعت کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ دین کی بنیادی تعلیمات کو عام کیا جائے، مجمع علیہ امور کی تبلیغی دعوت کو اپنے کام کا محور بنایا جائے.....اگر چند افراد نے ان معاملات میں کوئی تشدد برتا ہے تو یہ ان کا ذاتی فعل ہے اور کسی بھی طرح جماعت کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔[3]

شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ (پاکستان) ارشاد فرماتے ہیں:

''میں سمجھتا ہوں کہ دینی اعتبار سے اجتماعی کام کرنے والی جماعتوں میں اس وقت سارے عالم میں تبلیغی جماعت بہترین جماعت ہے....جس جماعت سے اتنا بڑا عالمی فائدہ ہورہا ہو اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت چمک رہی ہو، اس جماعت کی مخالفت کرنے والے سے اندیشہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں، بلکہ ایسے شخص کا خاتمہ خطرے میں پڑجانے کا خطرہ ہے کیونکہ اس جماعت

[1] اللہ کے راستہ میں نکلنے کی اہمیت ص ۱۲۷ [2] درس ترمذی ص ۲۱۰ ج ۵ [3] سفر در سفر ص ۱۸۱

کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی بشارتیں ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی ہوشیار ہوجائیں جو علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اگر توبہ نہ کی تو سوءِ خاتمہ کا خوف ہے کیونکہ حدیث قدسی میں ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان جنگ ہے'' [1]

بلا شبہ یہ کام امت کے لئے بڑی رحمت اور نعمت ہے اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اس لئے امت کی حال پر شفقت کرتے ہوئے، اس کام کو اپنا کام سمجھتے ہوئے ہم کو اس کام سے حسب گنجائش منسلک بھی ہونا چاہئے اور ساتھ ہی کام کو غلو اور افراط وتفریط سے بچانا بھی چاہئے، جس کے لئے ضروری ہے کہ راہ اعتدال اور جادۂ حق سے جو جو باتیں ہٹی ہوئی ہوں آپ کی اس پر گہری نظر اور پوری گرفت اور اصلاح کی فکر اور کوشش ہو، دعوت وتبلیغ کا موضوع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، منکرات پر نکیر کے دائرہ میں یہ غلو والی باتیں بھی آتی ہیں ان کی اصلاح کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اللہ کے راستے میں نکل کر اگر ثواب کی زیادتی کی امید اور توقع ہے تو اللہ کے راستے میں نکل کر کسی نوع کے منکر کا ارتکاب اور غلطی کا شکار ہوجانے کا وبال بھی بڑا سخت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصداً کسی غلط بات کو منسوب کرنے والے کیلئے آپ نے فرمایا ہے کہ اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالینا چاہئے، غیر دین کو دین کہنا اور غلو آمیز باتیں بھی اسی حکم میں ہیں، حتیٰ کہ جہالت اور کم علمی کے باوجود یہ جانتے ہوئے کہ میں الفاظ حدیث پڑھنے میں غلطی کروں گا، اگر کوئی شخص حدیث پاک کے پڑھنے میں غلطی کرے یعنی صحیح تلفظ نہ کرے یا اعراب اور حرکت میں غلطی کرے، شارح حدیث ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص بھی سخت وعید اور دوزخ میں جانے کا مستحق ہے، (کیونکہ جہالت عذر نہیں) چنانچہ حدیث **"من کذب علیّ متعمداً فلیتبوّأ مقعده' من النار"** کے تحت فرماتے ہیں **ویوخذ من الحدیث ان من قرأحدیثه' وھو یعلم انه یلحن فیه سواء کان فی ادائهٖ او اعرابهٖ یدخل فی**

[1] علم اور علماء کرام کی عظمت ص ۸۰

ھٰذالحدیث الوعید الشدید لانہ' بلحنہٖ کاذب علیہ [1]

جب صرف الفاظ حدیث پڑھنے کا اتنا سخت وبال ہے تو معنی حدیث اور تشریح حدیث میں غلط بیانی اور کذب بیانی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یا دین کی طرف غلط بات منسوب کرنے کا کتنا سخت وبال ہوگا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''چونکہ سلسلہ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی (یعنی اصلاح امت کی) ذمہ داری امت کے علماء پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبی ہیں، تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فساد حال کی اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں'' [2]

ہر زمانہ میں علماء ومحدثین نے اپنا فریضہ انجام دیا اور اس نوع کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے یہ کام کیا ہے، غلط اور موضوع روایتیں جو دین کے عنوان سے اور حدیث کے نام سے امت میں رائج ہو رہی تھیں ان کی اصلاح کے لئے مستقل کتابیں لکھیں، **الموضوعات، اللالی المنثورہ، تنزیہ الشریعہ، مقاصدا لحسنہ، کشف الخفاء، تذکرۃ الموضوعات** وغیرہ کتابیں اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں، ماضی قریب میں امت میں غلط مسئلے اور غلط باتیں جو مشہور تھیں ان کو غلط بتلانے کے لئے حکیم الامت حضرت تھانوی نے ''اغلاط العوام'' نامی کتاب لکھی۔

تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْخَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَاکَسَبْتُمْ وَلاتُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (بقرہ پ۱)

(ترجمہ) یہ ان بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلآئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ۔ (پ۱۱ سورہ یونس)

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۲۰۷ ج ۱ [2] ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحب ص ۱۴

(ترجمہ) پھر تم کو ہم نے نائب کیا ان کے بعد تا کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔

آج بھی امت میں دعوت وتبلیغ کے لائن سے ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر انبیاء اور صحابہ اور دین کے تعلق سے سیکڑوں ہزاروں باتیں گشت کر رہی ہیں جو قابل اصلاح ہیں، آج بھی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر کے حق کو حق اور باطل کو باطل کہہ کر اپنی ذمہ داری پوری کریں اور غلو سے امت کو بچانے کی پوری کوشش کریں۔

اور عوام الناس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ علماء حق کے ہدایات اور تنبیہات کے مطابق اپنی اصلاح کریں خصوصاً پڑھا لکھا طبقہ کہ وہ زیادہ عقل وفہم رکھتے ہیں ان کی ذمہ داری بھی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہے کہ وہ عقل وفہم سے کام لے کر اہل حق علماء کی باتوں کو سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی اصلاح کریں، اور علماء کی ماتحتی میں انہیں کے مشورہ سے کام کریں۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مقصد اس دعوت وتبلیغ سے یہ تھا (جیسا کہ ان کے ملفوظات میں موجود ہے) کہ دین کے سارے شعبے زندہ ہو جائیں اور زندگی کے ہر شعبے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا طریقہ عام ہو جائے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات اور معاشرت واخلاق سے، تعلیمِ کتاب وتعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفوس دین کے اہم شعبے ہیں اور یہ شعبے قائم اور زندہ ہیں علماء ومشائخ اور مدارس وخانقاہوں کے ذریعہ، زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقوں کا علم اور تزکیۂ نفوس بھی انہی علماء مشائخ کے ذریعے حاصل ہوگا، اصحاب تبلیغ کو چاہئے کہ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل کا علم علماء سے ربط رکھ کر حاصل کریں اور تزکیۂ نفوس اور باطن کی اصلاح کے لئے مشائخ سے ربط رکھیں یہی مولانا الیاس صاحبؒ کی ہدایت تھی، جیسا کہ ان کے ملفوظات ومکتوبات میں موجود ہے۔

بلاشبہ مروجہ دعوت وتبلیغ دین کے تمام شعبوں کے زندہ کرنے کی ایک مسلسل

محنت ہے لیکن یہ وسائل وذرائع میں سے ہے مقاصد میں سے نہیں، اس کام کو مقاصد کا درجہ دینا اور سب کچھ اسی کو سمجھ کر دین کے دوسرے شعبوں سے غفلت برتنا بڑی کوتاہی اور جہالت ہے، مولانا الیاس صاحبؒ نے جس نہج پر کام کو شروع کیا تھا اسی نہج پر کام کو باقی رکھنا چاہئے، اس کے خلاف کرنے سے مفاسد اور خرابیاں سامنے آئیں گی جیسا کہ مشاہد ہے، علماءِ کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے امور کی طرف توجہ کریں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اس دعوت وتبلیغ کے کام کو جن بناؤں پر ڈالا تھا اور اس سلسلہ میں جو آپ کی ہدایات اور تعلیمات ہیں اور آپ کے جو عزائم وارادے تھے اگر ان سب کو پیش نظر رکھ کر کام کیا جائے تو انشاءاللہ اس کام کی پوری حفاظت رہے گی اور یہ کام غلو سے محفوظ رہے گا، اور صدیوں تک انشاءاللہ یہ کام چلتا رہے گا۔

مولانا الیاس صاحبؒ کی وہ ہدایات وتعلیمات اور تنبیہات ان کے ارشادات ومکتوبات میں منتشر ہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ جلد ہی مرتب انداز میں اصحاب علم وتبلیغ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ (الحمدللہ یہ کام بھی تقریباً پورا ہو گیا انشاءاللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گا)

پیش نظر رسالہ ''اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ اور دعوت وتبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات'' اسی جذبہ اور فکر سے مرتب کیا گیا ہے جس کے سارے مضامین حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ہیں (جن کی معلومات اور تحقیقات پر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو پورا اعتماد تھا اور اصحاب تبلیغ کو ان کی تصانیف کے مطالعہ کی ہدایت اور تاکید بھی فرماتے تھے) حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن، مسائل السلوک اور ان کی دیگر تصانیف ومواعظ سے اس کتاب کے مضامین چن چن کر جمع کئے گئے ہیں، ترتیب اور عناوین کا اضافہ احقر کی طرف سے ہے۔

کتاب کے شروع میں اسباب واعمال سے متعلق ایک مختصر مقدمہ مرتب کی

طرف سے ہے جس کو قرآن وحدیث اور فقہاء ومحدثین کے کلام کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے اور امت کی حفاظت اور اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے۔آمین

اس کتاب کو تیاری کے بعد ملک کے کبار علماء، ارباب افتاء نیز دعوت وتبلیغ کے ارباب حل وعقد کی خدمت میں پیش کیا اور ان سے مشورہ لیا، الحمدللہ ان سب حضرات نے اس کی تصویب وتائید کے ساتھ ایسی کتاب کی ضرورت کا اظہار فرمایا اور اس کی اشاعت کا مشورہ دیا، الحمدللہ اکابر کے مشورے اور استخارہ ودعاء کے بعد اس کی اشاعت کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمائے۔

اسی نوع کے قابل اصلاح اور قابل توجہ دیگر امور انشاءاللہ آئندہ بھی عرض کئے جائیں گے تاکہ حضرات اہل علم اور اصحاب تبلیغ ان کی طرف توجہ فرماسکیں۔

قارئین کرام خصوصاً اصحاب علم وفضل سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس کے لکھنے میں اگر مجھ سے کوئی چوک اور خطا ہوگئی ہو میرے لئے استغفار فرمائیں اور مطلع بھی فرمائیں تاکہ اس کی اصلاح کرسکوں۔

ان اریدالا الاصلاح وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب واستغفرا للہ العظیم،وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدوعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

محمد زید مظاہری ندوی
استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
یکم ربیع الاول ص ۱۴۳۶ھ

علماء کرام کی ذمہ اریوں سے متعلق

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریروں کے چند اقتباسات

علماء کرام ومشائخ کی ضرورت واہمیت اور ان کی ذمہ داریوں کے تعلق سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریر کے چند اقتباسات کو نقل کر کے اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

حضرت مولاناؒ نے علماء کرام کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے ایک مثال دے کر سمجھایا ہے جو علماء کے لئے بہت مناسب ہے فرماتے ہیں:

(۱)''یہ کانسٹبل جو (چوراہوں پر) ٹریفک کنٹرول کرتا ہے، یہ اگر اپنی جگہ چھوڑ دے، اور پانی پلانے لگے، راستہ بتانے لگے تو سواریوں میں ٹکر ہوجائے، بیسیوں حوادث پیش آئیں، حالانکہ وہ کارخیر کررہا ہے، بہت ثواب کا کام کرتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، دور تک جاتا ہے راستہ بتانے کے لئے، لیکن وہ مستوجب تعزیر (یعنی سزا کا مستحق) ہوگا کہ اس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، ڈیوٹی چھوڑ دیا۔[۱]

احقر عرض کرتا ہے اس مثال کی روشنی میں اہل علم حضرات کو اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے امت کا جائزہ لینا چاہئے اور جہاں بھی کہیں غلط کام، یا کسی نوع کے منکر کا ارتکاب ہورہا ہو، یا جہاں کہیں دینی کام راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہو، اور امت کے کسی حلقہ میں غلو اور افراط یا تفریط میں ابتلا ہو اس کی طرف توجہ اور تنبیہ کریں اور پوری تحقیق کے بعد اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق اصلاح کی بھرپور کوشش کریں، یہ ہم سب کا منصبی فریضہ اور حدیث **من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ** الخ کا مقتضا ہے۔

---

[۱] تحفۂ کشمیر ص ۲۷

حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں:

(۲)''اللہ کے یہاں سوال ہوگا کہ تم نے پڑھا تھا، تم کفر واسلام کا فرق جانتے تھے، اور تم حلال وحرام کا فرق جانتے تھے، تم سنت وبدعت کا فرق جانتے تھے لیکن تم نے نہ کہیں ٹوکا، نہ کہیں روکا، نہ کہیں تم نے اشارہ کیا نہ تم نے کہیں تبلیغ کی، اس کا جواب دو؟''

تم نے کس لئے پڑھا تھا؟ کیوں سات برس آٹھ برس لگائے تھے دارالعلوم دیوبند میں، مظاہر العلوم میں یا ندوۃ العلماء میں؟

خدا کے یہاں جواب دینا ہوگا کہ جو کچھ پڑھا تھا اس کا ہم نے کیا حق ادا کیا؟ حدیثوں میں صاف صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ ہم نے تمہیں رزق دیا تھا اس کا کیا حق ادا کیا؟ ہم نے تمہیں دین کی سمجھ دی تھی اس کا کیا حق ادا کیا، زندگی دی اس کا کیا حق ادا کیا؟ (علم دیا تھا اس کا کیا حق ادا کیا؟) [۱]

(۳) دیکھئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے وہ تین جگہ قرآن مجید میں آئی ہیں (**هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلاَلٍ مُّبِیْنَ**) رسالت کے جو فرائض ہیں وہ کیا کیا ہیں سب سے پہلے تو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنانا (**یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ**) اور ان کا تزکیہ فرماتا ہے یعنی ان کے نفوس کو دھوتا ہے اور صاف کرتا ہے جیسے برتن صاف کیا جاتا ہے، مانجھا جاتا ہے یہ تزکیہ بھی ضروری ہے اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کے لئے حکماءِ اسلام اور جوامت کے مربی ہیں اور جو نفوس کی بیماریوں سے اور شیطان کی مکاریوں سے واقف ہیں ان کی کتابیں دیکھنا چاہئے اور وہاں سے اپنے مرض کی تشخیص کرنی چاہئے کہ یہ جو بیان کیا جا رہا ہے یہ مرض تو مجھ میں موجود ہے، حسد میرے

[۱] ملت اسلامیہ کا مقام وپیغام ص ۲۱۳

اندر ہے، مال کی محبت تو بہت حد سے بڑھ گئی ہے، یہ تو میرا ہی حال بیان کیا جارہا ہے۔

امراض نفسانی کو دیکھنا چاہئے اور جو کتابیں بزرگان دین نے تزکیہ کے موضوع پر تحریر کی ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اور اس کے لئے بزرگان دین کی کتابیں جن میں انہوں نے بیماری پر ہاتھ رکھ دیا ہے جیسے کوئی ڈاکٹر طبیب اس عضو پر ہاتھ رکھ دے کہ یہاں تمہاری تکلیف ہے، یا نبض پر ہاتھ رکھ کر کے کہہ دے کہ تم میں فلاں مرض ہے، ایسے لوگ گذرے ہیں اب بھی ہوں گے، ایسے ہی جن لوگوں نے امام غزالیؒ سے لے کر امام حسن بصریؒ اور امام غزالیؒ سے لے کر اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور دوسرے اس وقت کے بزرگوں تک جن لوگوں نے امراض نفسانی کی تحدید کی ہے ان کو شناخت کیا ہے اور ان کو متعین کیا ہے ان کی کتابیں (دیکھیں) اور ان چیزوں کا علاج کریں۔[1]

(۴) اصلاح اخلاق ومعاملات کی بھی ضرورت ہے، مسلمانوں کے اخلاق ومعاملات بہت بگڑ رہے ہیں اس کو بھی درست کرنے کی کوشش کریں گے، معاملات بھی ٹھیک ہوں اخلاق بھی صحیح ہوں، اللہ تعالیٰ ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[2]

(۵) ہم لوگ معاشرہ کی بھی اصلاح کی فکر کریں، یہ تبلیغ کے منافی بات نہیں ہے یہ تبلیغ میں شامل ہے، تو نمبر وہی رہیں گے اور ان کی ترتیب وہی رہے گی، ان کی اہمیت وہی رہے گی ان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن اس کی تشریح اور جو اس کا پھیلاؤ ہے۔ (اس کے دائرہ میں اصلاح معاشرہ، اصلاح معاملات، اصلاح منکرات سب آجاتے ہیں)۔

اپنی زندگی گذارنے کے لئے معاشرت اخلاق، معاملات سب کو درست کیجئے، ان اعلیٰ اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کشش ہوگی اور اسلام میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی، میں اتنا کہنا چاہتا ہوں خاص طور پر

[1] ملت اسلامیہ کا مقام وپیغام ص ۱۸۹ و ۱۹۱ [2] ملت اسلامیہ کا مقام وپیغام ص ۱۶۵

ان لوگوں سے جو جماعتوں میں شامل ہیں اور کام کرتے ہیں ان کو پورے طور پر ذمہ داری سمجھ لینا چاہئے تو نمبرا اپنی جگہ پر، نمبر وہی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر کرنی چاہئے اور اپنے اخلاق، اصلاح معاشرہ کا کام بھی کرنا چاہئے۔[1]

ریلوے لائن پر ایک چھوٹی گاڑی چلا کرتی تھی (اور غالباً اب بھی چلتی ہے) جس کو ٹرالی کہتے ہیں، لوگ اس کو ٹھیلتے تھے پھر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ چلتی اور پھسلتی رہتی تھی، جب وہ رکنے لگتی تھی تو پھر اتر کر دھکا دیتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے اس سے لائن کا معائنہ ہوتا تھا، اس امت کی گاڑی کو بھی اسی طرح سمجھئے اور اس کو ٹھیلنے والے اس امت کے علماء اور مشائخ اور مجدد ہیں یہ اس کو ٹھیل دیتے ہیں اور وہ خود اپنے پہیوں پر چلتی ہے، یہ نہیں کہ اس کو چلاتے ہی رہتے ہیں گاڑی خود چلے گی اپنے پہیوں پر، لیکن اس کو ٹھیلنے اور چلانے کے لئے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔

سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں اور فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کر سکیں، اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں، جیسے مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری۔[2]

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ عقیدہ درست اور پختہ کیا جائے اور اس بات کا اقرار اور اس پر ایمان ہو کہ اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں جلانے مارنے صحت اور شفاء دینے، اولاد دینے روزی دینے اور قسمت اچھی بری کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی بندگی کا مستحق نہیں۔۔۔۔اس کے لئے جو لوگ اردو پڑھ سکتے ہیں وہ۔۔۔علماء حق خصوصاً مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کی کتابیں اور رسائل پڑھیں۔[3]

---

[1] ملت اسلامیہ کا مقام و پیغام ص ۱۸۱ [2] خطبات علی میاں ص ۹۲ ج ۱ [3] سلاسل اربعہ ص ۶

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات وتعلیمات کی اہمیت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی نظر میں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو کہ ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے کہ حضرت تھانویؒ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقیٔ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت تھانویؒ کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔[1]

نیز تبلیغی کارکنوں کے لئے ایک مکتوب میں جو پندرہ ہدایتوں پر مشتمل ہے اس کی ہدایت نمبر ۸و۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت تھانویؒ کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جائے ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے........حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جائے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل''۔[2]

---

[1] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مختصراً ص ۵۸و۹۶ ملفوظ نمبر ۵۶و۵۷

[2] مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ ص ۱۳۷و۱۳۸ مطبوعہ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ

اسباب واشیاء کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد پہلے ہی مرحلہ میں آپ کو اشیاء واسباب کے خواص اور ان کے اسماء سے بھی ان کو متعارف کرادیا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (بقرہ)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھلائے۔

تفسیر ابن کثیر وجلالین وغیرہ میں ہے:

عن ابن عباس وعلم آدم الاسماء كلها، قال: علم اسم الصحفة والقِدر؟ قال نعم حتى الفسوة والفسية وعلّمه' اسم كل دابة و كل طير و كل شى۔ [1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیالے، ہانڈی، ریح تک کے اسماء سکھادیئے تھے، نیز جانور، پرندے اور تمام چیزوں کے نام سے متعارف کرادیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی اسباب واشیاء کے خواص اور ان کے ناموں کی بھی آپ کو تعلیم دی گئی تھی۔

---

[1] ابن کثیر ص ۷۳ ج ۱

علمائے اہل سنت والجماعت کے مسلک اور عقیدے میں یہ بات شامل ہے کہ اشیاء واسباب کے خواص وحقائق ہیں جو ثابت اور برحق ہیں ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ نسفیؒ اپنی کتاب شرح عقائد میں تحریر فرماتے ہیں:

''**حقائق الأشياء ثابتة**''یعنی اشیاء کے خواص ثابت ہیں۔[1]

یعنی یہ کہنا صحیح نہیں کہ اشیاء واسباب میں کوئی تاثیر نہیں، اصل تاثیر اللہ بس اللہ کے امر اور اعمال میں ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک اشیاء واسباب کے خواص اور ان کی تاثیرات ہیں جو اللہ نے رکھی ہیں۔

یہ دنیا دارالاسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں اشیاء واسباب کو پیدا فرما کر نفع ونقصان کو انہیں اسباب سے متعلق اور وابستہ کر رکھا ہے اور انہیں اسباب کو اختیار کرنے کا مکلّف بھی بنایا ہے، البتہ اس کے حدود وقیود اور شرائط، یعنی جائز ناجائز اسباب کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے بیان فرمادی اور جائز اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا، ناجائز اسباب کے اختیار سے منع فرمادیا۔

هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعا ۔(بقرہ)

(ترجمہ) وہ ذات پاک ایسی ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (بیان القرآن)

وَهُوَالَّذِیْ سَخَّرَالْبَحْرَ لِتَاْکُلُوامِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَتَسْتَخْرِجُوْامِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَفِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْن ۔(سورہ نحل پ۱۴)

(ترجمہ) اور وہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو مسخر کیا تاکہ اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے گہنا (زیور) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تو کشتیوں کو

[1] نبراس شرح شرح عقائد ص۲۵

دیکھتا ہے کہ وہ پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور تا کہ تم اس کی یعنی خدا کی روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہَا وَلَکُمْ فِیْہَا مَنَافِعُ کَثِیْرَۃٌ وَّمِنْہَا تَاکُلُوْنَ۔ (المؤمنون پ۱۸)

اور تمہارے لئے جانوروں میں غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو ان کے پیٹ کی چیز یعنی دودھ پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَہَا لَکُمْ فِیْہَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْہَا تَاکُلُوْنَ (النحل پ۱۴)

اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو۔

ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف قسم کے اشیاء واسباب اور ان کے منافع وخواص کا تذکرہ بطور احسان کے فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان منافع سے فائدہ اٹھانے اور شکر ادا کرنے کی بھی ترغیب دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کے منافع اور ان کے خواص کو اسباب سے مربوط کر رکھا ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیت ”**اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ**“ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے اس دنیا میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء کو خاص خاص اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے کہ جب وہ اسباب موجود ہوتے ہیں تو یہ

چیزیں موجود ہوجاتی ہیں، جب نہیں ہوتے تو یہ چیزیں بھی نہیں رہتیں، اسباب قوی یا زیادہ ہوتے ہیں تو ان کے مسببات کا وجود قوی اور زیادہ ہوجاتا ہے، وہ کمزور یا کم ہوتے ہیں تو مسببات بھی کمزور یا کم ہوجاتے ہیں، غلہ اور گھاس اگانے کا سبب زمین اور پانی اور ہوا کو بنا رکھا ہے، روشنی کا سبب آفتاب ماہتاب کو بنا رکھا ہے، بارش کا سبب بادل اور ہواؤں کو بنا رکھا ہے (یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب ہیں) اور ان اسباب اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات میں ایسا مستحکم نظام ہے کہ صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے بغیر کسی ادنیٰ فرق کے چل رہے ہیں ۔۔۔۔۔ جب سے دنیا وجود میں آئی (یہ آفتاب وماہتاب) ایک انداز ایک رفتار سے چل رہے ہیں، حساب لگا کر ہزار سال بعد تک کی چیزوں کا وقت بتلایا جاسکتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے

اسباب دنیویہ ہی کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

فَاِذَاقُضِیَتِ الصَّلٰوۃَ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہ، وَاذْکُرُوْاللّٰہَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. (الجمعۃ پ۲۸)

پھر جب نماز جمعہ پوری ہوچکے تو اس وقت تم کو اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو۔ (بیان القرآن)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ویقول اذافرغتم من الصلوۃ فانتشروفی الارض للتجارۃ والتصرف فی حوائجکم (قرطبی ص ۱۷ ج۱۸)

[1] معارف القرآن ص ۴۷۰ ج۶ سورہ فرقان پ۱۹

یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے جب تم نماز جمعہ سے فارغ ہوجاؤ تو زمین میں تجارت کی غرض سے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پھیل جاؤ۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نماز کے بعد اب اللہ کے فضل یعنی رزق کو تلاش کرو، چنانچہ حضرت عراک ابن مالکؓ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوکر یہ دعا کرتے کہ:

اے اللہ میں آپ کے فرمان کے مطابق نماز کے بعد رزق کی تلاش میں نکل پڑا لہٰذا مجھے اپنے فضل سے رزق دیجئے، آپ بہتر رزق دینے والے ہیں۔

ابن کثیرؒ سلف سے نقل فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن جو شخص بعد جمعہ بیع وشراء یعنی تجارت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ستر مرتبہ برکت عطا فرماتا ہے۔

من باع واشترى في يوم الجمعة بعد الصلوٰة بارک الله سبعين مرة يقول الله تعالىٰ فاذاقضيت الصلوٰة الخ.

آگے فرماتے ہیں کہ **وَاذْكُرُوْااللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.** کا مطلب یہ ہے کہ بیع وشراء میں اتنے منہمک نہ ہوجاؤ کہ اللہ کو بھول جاؤ، بلکہ بیع شراء اور لین دین کے درمیان بھی اللہ کو خوب یاد کرتے رہا کرو۔

وَاذْكُرُوْاللّٰهَ كَثِيْرً الَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَای حال بيعكم وشرائكم، وأخذكم واعطائكم اذكروالله ذكراً كثيراً(ابن كثير ص ۳۶۷ ج ۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اذان جمعہ کے بعد بیع وشراء وغیرہ کے تمام دنیوی امور کو ممنوع کردیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی اجازت دے دی گئی کہ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تجارتی کاروبار اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام کرسکتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

یعنی نماز جمعہ سے فارغ ہوکر کسبِ معاش تجارت وغیرہ میں لگو، مگر کفار کی طرح خدا سے غافل ہوکر نہ لگو، عین خرید وفروخت اور مزدوری کے وقت بھی اللہ کی یاد جاری رکھو۔ [1]

اسباب دنیویہ ہی کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں اور تمام ایمان والوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ (سورہ بقرہ پ۲)

(ترجمہ) اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ، اور حق تعالیٰ کا شکر کرو، اگر تم اسی کے عبادت کرتے ہو۔

اور ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (سورہ مومنون پ۱۸)

(ترجمہ) اے پیغمبرو! (اور تمہاری امتیں) نفیس چیز کھاؤ اور نیک کام کرو۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا عمل بھی اسی کے مطابق رہا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اسبابِ معاش

حضرت مقداد بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے اچھا نہیں کھایا کہ اپنی دستکاری سے کھائے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنی دستکاری سے کھاتے تھے۔ (بخاری شریف)

[1] معارف القرآن ص۴۴۳ ج۸ سورہ جمعہ پ۲۸

اور وہ دستکاری زرہ بنانا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے، وَعَلَّمْنَا هُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ۔[1]

عتبہ بن النذر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو آٹھ یا دس برس کے لئے نوکر رکھ دیا تھا، شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہ نے عرض کیا اور آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قیراطوں پر چرایا کرتا تھا۔[3]

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو علوم ذرائع کسب (یعنی معاش کے علوم) بھی عطا فرمائے تھے، جیسے داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھلایا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو موم بنا دیا، اور بھی اس قسم کے کمائی کے طریقے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے گئے چنانچہ زکریا علیہ السلام نجار (بڑھئی) تھے۔[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لأن يحتزم أحدكم حزمة من حطب فيحملها على ظهره فيبيعها خيراً له من أن يسال رجلا يعطيه أو يمنعه'۔[5]

تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا گٹھر اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور اس کو بیچے یہ اس کے لئے

---

[1] حیوٰۃ المسلمین ص ۱۹۰ [2] احمد و ابن ماجہ، حیوٰۃ المسلمین ص ۱۹۱ [3] بخاری شریف، حیوٰۃ المسلمین ۱۹۰ [4] علوالعباد، ملحقہ حقوق و فرائض ص ۱۶۵ [5] مسلم شریف کتاب الزکوٰۃ ''باب النھی عن المسئلۃ'' ص ۶۲ ج ۲

اس سے بہتر ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے، پتہ نہیں وہ اس کو دے یا نہ دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا آپ نے اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو، پھر فرمایا یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر ذلت کا ایک داغ ہو کر ظاہر ہو۔[1]

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا تو ہارنے والا کہنے لگا حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل، مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی میری قسمت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے لیکن ہوشیاری سے کام لو، (یعنی کوشش وتدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت)۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود بنی نضیر کے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لئے مخصوص تھے، آپ اس میں سے اپنی بیبیوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں یعنی جہاد کے سامان میں لگا دیتے۔[3]

قال القاضی فیه جواز ادخار قوت نفسهٖ وفیه أن الادخار لا یقدح فی التوکل کذافی شرح الأبی والنووی۔[4]

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ اور سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] ابوداؤد شریف، ابن ماجہ، حیٰوۃ المسلمین ص ۱۹۲ [2] ابوداؤد شریف، حیٰوۃ المسلمین
[3] بخاری ومسلم، حیات المسلمین ص ۱۹۳ [4] فتح الملہم ص ۶۷ ج ۹

واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دارالاسباب ہے، اور اس عالم اسباب میں رہتے ہوئے اسباب اختیار کرنا ہی انبیاء علیہم السلام کی سنت، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے اور اپنی امت کو بھی آپ نے اسی بات کی تعلیم دی ہے، اس سے اسباب اختیار کرنے کی اہمیت وفضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے امت کو اسباب سے جوڑا اور اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ اسباب دنیویہ محض امتحان کے لئے نہیں بلکہ اختیار کرنے کے لئے ہیں، یہ اسباب ظاہرہ صرف غیروں کے لئے نہیں، اللہ کے نیک بندوں اور امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے بھی ہیں۔

نہایت ضروری تنبیہ

دنیا کے کائناتی نظام اور ظاہری اسباب کے خلاف جن واقعات کا صدور اور جن اعمال کے برکات کا ظہور ہو جس کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی مدد سے تعبیر کیا جاتا ہے اگر نبی کی طرف سے ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور متبع شریعت امتی کی طرف سے ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں، اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے **"کرامات الاولیاء حق"** ہر زمانہ میں متبع شریعت ہزاروں امتیوں کی طرف سے خرق عادت کے طور پر دنیا کے کائناتی نظام اور ظاہری اسباب کے خلاف بہت سے ایسے واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جن کو غیبی نصرت اور کرامت کہا جاتا ہے، لیکن اس کی وجہ سے ظاہری اسباب اختیار کرنے کی اہمیت کم نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ماڈی اسباب غیروں کے لئے ہیں، ہمارے مسائل اور مشکلات تو اعمال سے حل ہوں گے، اور یہ اسباب ظاہرہ غیروں کے اطمینان اور ہمارے امتحان کے لئے ہیں، نہیں بلکہ ہمارے لئے بھی یہ اسباب اختیار کرنے اور اطمینان کے لئے ہیں، اور اس معنی کر امتحان کے لئے بھی ہیں کہ بندے اسباب اختیار کرنے میں غلو کا شکار

تو نہیں ہوتے یا حلال وحرام اور جائز ناجائز کی تمیز کے بغیر ہر قسم کے اسباب اختیار کرنے لگیں اور اللہ کی طرف سے نظر ہٹا کر سب کچھ اسی کو سمجھنے لگیں، اس معنی کر یہ اسباب ظاہرہ بے شک امتحان کے لئے بھی ہیں۔

اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ دنیا کے کائناتی نظام اور ظاہری اسباب کے خلاف واقعات ظاہر ہونا جس کو حق تعالیٰ کی غیبی نصرت اور شریعت کی اصطلاح میں کرامت کہا جاتا ہے، یہ غیر اختیاری امر ہے، کیونکہ پوری امت کا متفقہ فیصلہ اور اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ امت سے کرامات کا صدرو برحق ہے اور وہ غیر اختیاری امر ہے، یعنی کرامت کا صدور بندوں کے اختیار اور بس میں نہیں ہے کہ جب چاہیں اس کا ظہور ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اختیاری امور کا مکلّف بنایا ہے، غیر اختیاری امور کے بندے مکلّف ہی نہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انہی چیزوں کا مکلّف بتایا ہے جو ان کی وسعت اور بس میں ہوں، اور ظاہر بات ہے کہ امتی کے لئے کرامت اور نبی کے لئے معجزہ اختیاری امر نہیں کہ جب چاہیں صادر ہو جائے، لہٰذا وہ اس کے مکلّف نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایسے ہی امور کا مکلّف بنایا ہے جو ان کے اختیار اور بس میں ہوں یعنی اسباب ظاہرہ اختیار کرنے کا خواہ اس پر نتیجہ کچھ بھی مرتب ہو۔

یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ خرق عادت کے طور پر جو چیز ظاہر ہو جائے اور کرامت کے جو واقعات صادر ہو جائیں ان کی وجہ سے اسباب کی اہمیت کو کم سمجھا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارے مسائل اعمال سے حل ہوں گے اسباب سے نہیں، اچھی طرح سمجھ لیجئے! دنیا کے کائناتی نظام کے خلاف واقعات کا ہونا کرامت ہے اور کرامت غیر اختیاری امر ہے، اور غیر ااختیاری امور کے ہم مکلّف نہیں بنائے گئے البتہ ظاہری اسباب جو بندوں کے اختیار میں ہیں بندے اسی کے مکلّف ہیں اور شریعت نے انہیں

اسباب کے تعلق سے تفصیلات بیان کی ہیں کہ یہ اسباب جائز ہیں یہ ناجائز، شریعت میں کرامت مطلوب نہیں، اسباب کا اختیار کرنا مطلوب ہے، یہ ہے شریعت اور قرآن وحدیث کی تعلیم، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ظاہری اسباب کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَائِفَۃٌ مِّنْھُمْ مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَھُمْ الی قولہ تعالیٰ ..... فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْکُمْ مَیْلَۃً وَّاحِدَۃً۔

(سورہ نساء پ۵)

(ترجمہ) اور جب آپ ان میں تشریف رکھئے پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو لوگوں کو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہوجائیں، اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں، پھر یہ لوگ جب سجدہ کرچکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہوجائیں اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں، اور یہ لوگ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں، کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہوجاؤ تو تم پر ایک بارگی حملہ کربیٹھیں۔

(بیان القرآن)

غور کرنے کی بات ہے کہ مجاہدین صحابہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلے ہوئے ہیں، جہاد کا خاص موقع ہے، نماز جیسی اہم عبادت ہے، رئیس المتوکلین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت ہے، دعاء وابتہال کا خاص موقع ہے، صحابہ جیسے متوکل اور مخلص کامل الایمان کی جماعت کا ساتھ ہے، اس کے بعد بھی حکم یہ ہے کہ سارے لوگ ایک ساتھ نماز نہ پڑھیں بلکہ دو جماعتیں کرکے ایک جماعت ایک رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ نماز ادا کرے، اوراس وقت دوسری جماعت دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کمر بستہ رہے، پھر دوسری جماعت اسی طرح نماز ادا کرے، اور عین نماز کی ادائیگی کے وقت بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور ہتھیار بھی ساتھ ضرور لئے رہیں، اور خود ہی اللہ تعالیٰ ان باتوں کا حکم دے رہا ہے جو آج تک مشروع اور باقی ہے، یہ سب کچھ مادی اور ظاہری اسباب کے خاطر نہیں تو اور کیوں کر ہے؟ ایک جماعت کا نماز پڑھنا اور دوسری جماعت کا نگرانی کرنا، اور حالتِ صلوٰۃ میں بھی ہتھیار لئے رہنا بلا شبہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

قال تعالیٰ "خُذُوْاحِذْرَكُمْ" وقال فی کیفیة صلاة الخوف "وَلیَاخُذُوْااَسْلِحَتَهُمْ" وقال سبحانه "وَاَعِدُّوْالَهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" وقال تعالیٰ لموسیٰ علیه السلام "فَاَسْرِبِعِبَادِیْ لَیْلاً"...واختفاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الغار اختفاء عن اعین الاعداء دفعاً للضرر ، واخذالسلاح فی الصلاة ....ولكن اخذالسلاح سبب مظنون، وقدبينا ان المظنون كالمقطوع، وانما الموهوم هوالذی یقتضی التوكل تركه[1]

حضرت امام غزالیؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں متعدد مثالوں کے ذریعہ اس بات کو سمجھایا ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا کتاب وسنت اور اللہ کی ذات پر توکل کے خلاف نہیں ہے، حق تعالیٰ نے اپنے فرمان "خُذُوْ حِذْرُکُمْ" میں دشمن سے بچاؤ کا سامان اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، صلوٰۃ الخوف کی ادائیگی کے وقت بھی ہتھیاروں کو ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے، دشمن کے مقابلہ میں پہلے سے تیاری کرنے کا بھی حکم دیا ہے، فرعون کے ظلم اور شر سے بچنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو راتوں رات اپنی قوم کو لے کر چلنے

[1] احیاء العلوم ص ۲۷۲ ج ۴ مطبوعہ ممبئی

کا حکم دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں چھپے رہنا تا کہ دشمن کی نگاہوں سے مخفی رہیں یہ بھی دفع ضرر کے لئے حفاظتی تدبیر کے درجہ میں تھا، اسی طرح نماز کی حالت میں ہتھیار لئے رہنے کا حکم بھی حفاظتی تدبیر کے درجہ میں ہے، اگر چہ ہتھیار کو لینا بظاہر سبب مظنون (یعنی اسباب ظنیہ کے درجہ میں ہے) لیکن بہت سے اسباب ظنیہ بھی اسباب قطعیہ کا درجہ رکھتے ہیں ،صرف اسباب وہمیہ کا ترک توکل کا مقتضیٰ ہے، یعنی ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے جن کو اسباب وہمیہ کہا جاتا ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ظاہری اسباب کا شریعت میں کیا درجہ اور اس کی کیا اہمیت ہے، اور حق تعالیٰ بندوں سے کیا چاہتا ہے۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے اسوہ سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جن موقعوں میں ظاہری اسباب پورے طور پر نہیں پائے جاتے تھے تو جس قدر اور جس حد تک آپ کے لئے اسباب سے قریب ہونا اور اس کو اختیار کرنا آپ کے بس میں تھا آپ نے اس سے استغنا و اعراض نہیں فرمایا بلکہ ممکن حد تک ہی آپ نے ان اسباب کو اختیار فرمایا، غزوہ بدر غزوہ خندق وغیرہ کے متعدد واقعات اس کی واضح دلیلیں ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل خرق عادت کے ظہور میں آتے ہیں (یعنی بظاہر کائناتی نظام کے خلاف ہوتے ہیں) ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا پھر اس میں آکر آب دہن (لعاب مبارک) ملادیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔[1]

بطور نمونہ کے احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے صرف چند مثالیں غور کرو فکر اور اطمینان کے لئے عرض کی جاتی ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسباب سے قرب اور اس کے اختیار کرنے کا کس قدر اہتمام تھا۔

جتنا بس میں ہو اور جس قدر اسباب سے قرُب ممکن ہو اس کو اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کے واسطے سے کئی قصے نقل فرمائے ہیں۔

(۱) ان میں کا ایک واقعہ یہ ہے کہ بعض اسفار اور بعض غزوات میں پانی کی بڑی قلت ہوگئی صحابہ کا لشکر ساتھ تھا، پینے اور وضو تک کے لئے پانی نہ تھا عصر کی نماز کا وقت قریب تھا، صحابہ نے پانی تلاش کیا کہیں نہ پایا، آپ نے صحابہ سے موجود پانی طلب کیا پھر اس پانی میں آپ نے اپنا دست مبارک رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے پانی لے کر وضو کرتے رہیں، راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی نکل رہا تھا، تمام لوگوں نے اس پانی سے وضو کر لیا پھر بھی پانی ختم نہیں ہوا، وضو کرنے والوں کی تعداد تقریباً تین سو تھی، روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

فاتیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوضوء فوضع رسول اللہ

---

[1] ملفوظات کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۱۴۴ ص ۱۰۳

صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الاناء یدہ، وامر الناس ان یتوضاؤ امنہ الخ [۱]

(۲) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے کہ ایک چشمہ سے بہت تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ مختصر پانی کسی برتن میں چلو سے صحابہ نے جمع کیا پھر اسی پانی سے آپ نے اپنے دست اور چہرہ مبارک کو دھویا اور وہ پانی اس چشمہ میں ڈال دیا گیا، پھر تو وہ چشمہ پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگا، اور پانی اس قدر کثیر ہو گیا کہ پورے لشکر نے اس سے سیرابی کی اور پانی ختم نہیں ہوا۔[۲]

(۳) ایک واقعہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوکا دیکھ کر گھر جا کر کھانے کا مختصر انتظام کیا جو صرف چند ہی لوگوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا، اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم کو مدعو فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر میں اعلان فرما دیا چلو سب لوگ جابر کے یہاں دعوت ہے اور آپ نے یہ خبر کہلا دی کہ جب تک میں نہ آجاؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتاری جائے، اور روٹی نہ پکائی جائے، اور ایک پکانے والی اور بلا لی جائے یعنی جب تک میں نہ آؤں اس وقت تک کوئی تصرف نہ کیا جائے چنانچہ آپ تشریف لائے اور لعاب مبارک اس گُندھے آٹے میں لگایا اور برکت کی دعاء فرمائی، اسی طرح ہانڈی میں کیا، پھر تو اس میں ایسی برکت ہوئی کہ وہ مختصر کھانا پورے لشکر کے لئے کافی ہو گیا، جن کی تعداد ایک ہزار تھی، روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتنزلن برمتکم ولا تخبزن عجینتکم حتی أجی فبصق فیھا وبارک ثم عمد الی برمتنا فبصق فیھا وبارک الخ [۳]

---

[۱] مسلم شریف عن انس ص ۲۴۵ ج ۲ [۲] مسلم شریف ص ۲۴۶ ج ۲ [۳] مسلم شریف ص ۱۷۸ ج ۲

(۴) اسی طرح کا واقعہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت ابوطلحہ نے ام سلیم سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو بہت کمزور پایا، غالباً آپ بہت بھوکے ہیں، کچھ کھانے کو ہوتو لاؤ، چنانچہ جَو کی چند ٹکیاں کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے پاس مسجد میں بھیجیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کو لے کر گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ کہا ہاں، آپ نے موجود تمام صحابہ سے کہا چلو ابوطلحہ کے گھر چنانچہ سب لوگ آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم سے فرمایا جو کچھ ہو لاؤ، آپ کے حکم سے ان روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا اور اس کا ملیدہ بنایا گیا، پھر آپ نے اس میں کچھ کلمات پڑھے اور فرمایا دس دس صحابہ کھانے کے لئے آتے رہیں، چنانچہ دس دس صحابہ آتے رہے اور خوب آسودہ ہو کر کھاتے رہے اور وہ چند روٹیوں کا ملیدہ تمام صحابہ کے لئے کافی ہو گیا، صحابہ کی تعداد تقریباً ستر۷۰ یا اسی۸۰ تھی۔

روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں: **فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هلمی ماعندک یا ام سلیم فاتت بذالک والخبز ، ثم قال فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم ماشاء الله ان یقول حتی اکل القوم کلهم وشبعوا والقوم سبعون رجلا اوثمانون ۔**[1]

محدث کبیر حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کی تحقیق وتشریح

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

[1] مسلم شریف ص ۱۷۹ ج ۲

یہ نبوت کا معجزہ تھا، اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کا معجزہ ظاہر کرنا تھا، اس لئے تھوڑا سا کھانا اتنے آدمیوں کو کافی ہوگیا۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ دکھانا تھا تو یہ بھی تو ممکن تھا کہ زمین سے کوئی چیز اٹھا کر دے دیتے، آسمان سے دسترخوان نازل کر دیتے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آسمان سے دسترخوان نازل ہوا، آپ تو ان سے بھی افضل تھے پھر آپ کے لئے دسترخوان کیوں نہیں نازل ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تو خارق عادت امر کا یعنی معجزہ کا ظاہر کرنا ہی مقصود تھا اور بس چنانچہ اس کا ظہور ہوگیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری نبی تھے، آخری دین لے کر آئے تھے جو قیامت تک چلنے والا ہے، جس کا عالم اسباب سے تعلق ہے، قیامت تک کے لئے امت کے لئے نمونہ چھوڑنا تھا اس لئے آپ کا معجزہ اس طرح ظاہر ہوا کہ اس تھوڑے سے کھانے میں آپ نے کچھ کلمات پڑھے اور فرمایا دس دس آدمی آتے رہیں اور کھاتے رہیں چنانچہ وہ تھوڑا سا کھانا اتنے سارے لوگوں کے لئے کافی ہوگیا، یہاں کوئی اعجازی طاقت تھی جو کام کر رہی تھی لیکن اسباب سے جوڑ کر نہ کہ اسباب سے توڑ کر، اس طرح آپ نے امت کو اسباب سے جوڑا ہے توڑا نہیں اسی لئے آپ کے معجزہ کا ظہور اس طرح ہوا۔

(۵) ایک واقعہ غزوہ تبوک کا ہے جس میں سخت تنگی کی حالت میں صحابہ بھوک سے بے چین اور پریشان تھے، مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ سواریوں کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دے دیجئے، آپ نے اجازت دے دی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ سواریوں کی قلت ہے، بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ جائے گا آپ تو بچے کھچے توشہ میں برکت کی دعاء فرما دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرمایا، اور حکم دیا کہ چمڑہ کا دسترخوان

بچھا دیا جائے اور جس کے پاس جو کچھ بھی اور جتنی مقدار میں توشہ ہو لا کر جمع کر دے چنانچہ کوئی ایک مٹھی جو، کوئی ایک مٹھی کھجور لایا اور کھانے پینے کا کچھ سامان جمع ہو گیا، پھر آپ نے برکت کی دعاء کی اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتنوں تھیلیوں میں بھر لو، راوی حدیث ابو ہریرہ فرماتے ہیں پورے لشکر نے اپنے برتنوں اور تھیلیوں کو بھر لیا اور خوب سیر ہو کر کھایا بھی اس کے بعد بھی توشہ بچا رہا۔

پورا واقعہ مسلم شریف کی کتاب الایمان ص۴۳ ج۱ میں مذکور ہے۔

روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

...فجاء عمر فقال لرسول الله صلى الله عليه وسلم ادعهم بفضل ازوادهم ثم ادع الله لهم عليها بالبركة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم قال فدعا بفضل ازوادهم... حتى اجتمع على النطع من ذالك شئى يسير قال فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالبركة الخ۔[۱]

ان واقعات میں غور کیجئے کہ پورے طور پر ظاہری اسباب میسر نہ ہونے کی صورت میں بھی آپ نے محض توکل اور دعاء پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ظاہری اسباب سے جس قدر تلبس وتعلق ہو سکتا تھا اور جس قدر آپ اسبابِ ظاہرہ کے قریب ہو سکتے اور اس کو اختیار فرما سکتے تھے وہ آپ نے اختیار فرمائے، یعنی برکت کی دعاء کے ساتھ آپ نے بقدر امکان ظاہری اسباب کو بھی اختیار فرمایا، پانی کو جمع فرمایا، توشہ کو جمع فرمایا اور اسی میں اضافہ کی اور برکت وکفایت کی دعاء فرمائی۔

الغرض آپ نے خود بھی اسباب کو اختیار فرمایا، اور امت کو بھی اسباب سے جوڑا ہے کاٹا نہیں ہے البتہ توکل اور اعتماد صرف اللہ ہی پر ہو اس کی تعلیم دی ہے۔

(۶) چنانچہ ایک صحابی کے اس سوال پر کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری کو

---

[۱] مسلم شریف ص۴۳ ج۱

میں چھوڑ دوں اور اللہ پر توکل کروں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: **اعقلها وتوكل** کہ جانور کی حفاظت کے لئے اس کو باندھو، یعنی ظاہری سبب اختیار کرو اور اللہ پر توکل کرو، یہ آپ کی تعلیم وہدایت ہے[1] اسی طرح ہلاکت وتباہی کے اسباب سے بچنے اور پرہیز کرنے کا بھی آپ نے حکم دیا ہے، اور خود بھی اس کا اہتمام فرمایا چنانچہ غزوہ احد کے موقع پر حفاظتی تدبیر کے لئے آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں **كان على النبي صلى الله عليه وسلم درعان يوم احد**[2]

(۷) ابوحمیدؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، اسی سفر میں ایک موقع پر آپ نے فرمایا آج رات سخت آندھی اور طوفان آئے گا، خبردار کوئی کھڑا نہ ہو اور اپنی اپنی سواریوں کو بہت مضبوطی سے باندھ دو، چنانچہ صحابہ نے ایسا ہی کیا، آندھی آئی، ایک شخص نہیں مانا کھڑا ہو گیا تو طوفان نے اس کو قبیلہ طی کے دونوں پہاڑوں کے بیچ میں گرا دیا۔ **ستهب عليكم الليلة الريح فلايقم فيها احدمنكم فمن كان له بعير فليشدعقاله الخ**[3]

صحابہ کرام کے نزدیک اسباب کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام نے بھی اسباب کو اسی لحاظ سے اہمیت دی اور ہلاکت وتکلیف دہ اسباب سے بچنے کا بھی اہتمام فرمایا، حتی کہ جن وبائی امراض کے متعلق اطباء کہتے ہیں کہ اختلاط، چھوت چھات سے مرض متعدی ہو جاتا ہے مثلاً طاعون اور خارش، اور آج کل ایڈز وغیرہ، ایسے متعدی امراض سے بچنے کا اہتمام بھی صحابہ کرام سے ثابت ہے اور اسباب کے درجہ میں اس پرہیز کو بھی انہوں نے توحید یا توکل کے خلاف نہیں سمجھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بہت مشہور ومعروف ہے جو بخاری، مسلم، موطاء

---

[1] ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ [2] ترمذی ابواب الجہاد باب ۱۷ حدیث ۱۶۸۳ [3] مسلم شریف ص ۲۴۶ ج ۲

میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دینی مہم کی غرض سے شام کے سفر میں تشریف لے جارہے تھے، انصار ومہاجر صحابہ کی بڑی تعداد ساتھ تھی، راستہ میں معلوم ہوا کہ جس جگہ کا قصد کر کے ہم جارہے ہیں وہاں تو طاعون پھیلا ہوا ہے، آپ نے آگے کا سفر موقوف فرما کر انصار ومہاجر صحابہ سے علیحدہ علیحدہ مشورہ لیا، آخر میں قریش کے بڑے بوڑھوں سے مشورہ لیا بالآخر یہی فیصلہ فرمایا کہ ہم آگے سفر نہیں کریں گے کیونکہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے، صبح کو واپس ہوجائیں گے، ابوعبیدہ بن الجراح نے کچھ اس پر عرض کیا کہ اللہ کی تقدیر سے اعراض؟ حضرت عمر نے ان کو سخت جواب دیا پورا واقعہ مسلم شریف باب الطاعون میں موجود ہے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے بعد میں آئے انہوں نے فرمایا مجھے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد معلوم ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ جب کسی علاقہ میں طاعون پھیلا ہو تو وہاں مت جاؤ اور جو لوگ پہلے سے وہاں موجود ہوں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہاں سے بھاگو نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔[1]

حدیث کی شرح میں حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں:

انما معناه ان الله تعالیٰ امر بالاحتياط والحزم ومجانبة اسباب الهلاک کما امر سبحانه وتعالیٰ بالتحصن من سلاح العدو وتجنب المهالک.[2]

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے احتیاط کا اور ہلاکت کے اسباب سے بچنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ہتھیار سے حفاظت اور ہلاکت وخطرات کے موقعوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

علامہ زرقانیؒ اس واقعہ کے تحت فرماتے ہیں:

---

[1] مسلم شریف ص۲۲۹ ج۲ [2] شرح مسلم للنووی ص۲۲۹ ج۲

المراد ان هجوم المرء علی ما یهلکه، منهی عنه[1]

یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اپنے آپ کو ہلاکت وخطرات میں ڈالنا ممنوع ہے۔

مسلم شریف میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فتنہ سے متعلق ایک طویل روایت میں ہے:

فابتلینا حتیٰ جعل الرجل منا لایصلی الا سرا[2]

یعنی ہم فتنوں اور بلاؤں میں ایسے مبتلا ہوئے کہ فتنہ کے خوف سے نماز بھی چپکے سے پڑھ لیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرتبہ یمن کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی، دریافت فرمایا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا ہم متوکل لوگ ہیں (یعنی ہم اللہ والوں کی اور متوکلین کی جماعت ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ تم متأکلون یعنی کھانے والوں کی جماعت ہو۔

آپ نے فرمایا: ''**انـمـاالمتوکل الذی یلقی حبة فی الارض ویتوکل عـلـی الـلـه**'' متوکل تو وہ ہے جو زمین میں دانہ ڈالے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ توکل یہ نہیں ہے کہ ترک اسباب کر کے اللہ پر بھروسہ کرلو، بلکہ توکل یہ ہے کہ کائناتی نظام کے تحت اسباب اختیار کرو، زمین میں بیج ڈالو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔

مذکورہ بالا احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کے واقعات سے

---

[1] زرقانی شرح موطا ص۳۱۸ ج۴ [2] (مسلم شریف کتاب الایمان باب الاستسرار بالایمان للخائف، حدیث ۳۷۵، فتح الملہم ص۱۸۰ ج۲ [3] کتاب التوکل علی اللہ، رسائل ابن ابی الدنیا ص۵۰

واضح اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں اسباب کی بڑی اہمیت ہے، دنیا بے شک دارالاسباب ہے اور اس عالمِ اسباب میں اسباب منافع کو اختیار کرنے اور اسباب ہلاکت سے بچنے کے ہم مکلّف بنائے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، بعد والوں کو بھی اسی طریقے پر قائم رہنا چاہے۔

اہل ایمان واہل کفر کے اسباب اختیار کرنے میں بنیادی فرق

یہیں سے فرق واضح ہوجاتا ہے اہل ایمان واہل کفر کے اسباب میں اور وہ فرق دو ہیں ایک تو یہ کہ اہل کفر وشرک اسباب کے اختیار کرنے میں بالکل آزاد ہوتے ہیں، یعنی حلال وحرام کی تمیز کے بغیر ہر نوع کے اسباب اختیار کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی نظر اور ان کا اعتماد اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت پر نہیں ہوتا، جب کہ اہل ایمان واہل اسلام دونوں باتوں میں مختلف ہوتے ہیں، وہ اسباب اختیار کرنے میں بھی شریعت کے پابند ہیں یعنی شریعت نے جن اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے بس انہیں اسباب پر اکتفا کرتے ہیں اور ناجائز اسباب سے پرہیز کرتے ہیں جس کی تفصیل کتاب وسنت کی روشنی میں کتب فقہ میں موجود ہے۔

دوسرے یہ کہ ہزار طرح کے اسباب اختیار کرنے کے باوجود اہل ایمان واہل اسلام کا توکل اور یقین اللہ کی ذات پر ہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان اسباب سے مسبب وجود میں آئے گا اور ان اسباب سے ہم کو فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نہیں چاہیں گے تو ہزار اسباب اختیار کرنے کے باوجود کچھ نہیں ہوگا، جب کہ اہل کفر وشرک اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور اسباب میں تاثیر ذاتی کے قائل ہوتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں بھی کفار ومشرکین اسی عقیدہ کے قائل تھے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر بھی اسباب کو مؤثر سمجھتے تھے، وہ اسباب میں تاثیر ذاتی کے قائل تھے، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی، **لاعدوی ولا طیر** اور **فمن اجرب الاول؟** جیسی احادیث میں دراصل اسی باطل عقیدہ کی اصلاح ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے:

ونفی العدویٰ لابمعنی نفی اصلھا لکن العرب یظنونھا سبباً مستقلاً وینسون التوکل راساً[1]

ورنہ اسباب کے درجہ میں جب اللہ کی مشیت کے تابع ہوکر ہو ایسے اسباب کے اختیار کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور صحابہ کرام کے عمل کے بعد دیکھئے کہ اسلاف امت اور فقہاء ومحدثین نے بھی اسباب کو کتنی اہمیت دی ہے یہاں تک فرمایا ہے کہ اسباب اختیار کرنا توحید توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب اختیار کئے بغیر توحید وتوکل اور تقویٰ میں کمال نہیں پیدا ہوسکتا، فقہاء ومحدثین اور علماء محققین کی چند واضح تصریحات ملاحظہ ہوں۔

اسباب کے تعلق سے فقہاء ومحدثین کی چند تصریحات

اسباب اختیار کرنے کو خلاف توکل کہنے کا نظریہ خلاف شریعت ہے

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کا فیصلہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ رشید حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب ''کتاب الکسب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس اسبابِ عالم میں اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کے درخت کو اپنی طرف جھکانے کے لئے

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۹۴ ج۲

فرمایا تا کہ اس کے پھل ان کی طرف گریں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهُزِّیْ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ توکل کی حقیقت کسب یعنی اسباب معاش کو ترک کر دینا ہے تو وہ شریعت کا مخالف ہے۔

دلیل کے طور پر حضرت امام محمدؒ مزید فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے جنہوں نے سوال کیا تھا کہ میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور اللہ پر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کو باندھ دو، پھر توکل کرو، امام محمدؒ کی عبارت یہ ہے، جس کا خلاصہ اوپر مذکور ہوا۔

"الاخذ بالأسباب لاینافی التوکل وقد امر الله تعالیٰ مریم علیها السلام بهز النخلة کماقال تعالیٰ وَهُزِّیْ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ فعلم ان من یزعم ان حقیقه التوکل فی ترکه الکسب فهو مخالف للشریعة والیه اشار رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قوله للسائل الذی قال اُرسلُ ناقتی واتوکل؟ فقال صلی الله علیه وسلم لابل اعقلها وتوکل [1]

دیکھئے مذکورہ عبارت میں امام محمدؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں استدلال کرتے ہوئے اسباب کی اہمیت کو کس انداز سے بیان فرمایا اور یہاں تک فرمایا کہ جو شخص اسباب اختیار کرنے کو خلاف توکل کہتا ہے وہ شریعت کا مخالف ہے۔

[1] ابن حبان حدیث ۷۳۱ ترمذی فی کتاب صفۃ القیامۃ، کتاب الکسب ص ۹۴

اسباب اختیار کئے بغیر توحید کامل نہیں ہوسکتی

علامہ ابن قیم حنبلیؒ کا فیصلہ

علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''الطب النبوی'' میں اس موضوع پر تفصیلی کلام فرمایا ہے اور متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ:

ان حدیثوں میں تداوی یعنی علاج معالجہ کا حکم دیا گیا ہے (جو اسباب میں سے ہے) یہ توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ اسباب اختیار کئے بغیر توحید کامل نہیں ہوسکتی، اسباب کا ترک کرنا یہ عجز ہے اور توکل کے منافی ہے۔

وفی هذه الاحادیث الصحیحة الامر بالتداوی وانه لا ینافی التوکل بل لایتم حقیقة التوحید الا بمباشرة الاسباب ،فان ترکها عجزاینا فی التوکل[1]

''ان صحیح حدیثوں میں علاج کا حکم ہے (جس سے معلوم ہوا کہ) علاج کرنا توکل کے منافی نہیں بلکہ کامل توحید کی حقیقت اسباب اختیار کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ اسباب کا ترک کرنا عجز وبے بسی ہے جو توکل کے منافی ہے۔''

آگے فرماتے ہیں کہ توکل کی حقیقت تو صرف یہ ہے کہ قلب کا اعتماد اللہ پر ہو، ترک اسباب سے اسکا کوئی تعلق نہیں یعنی اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو یہی حقیقی توکل ہے اور یہی تقدیر پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کیا ہے وہ اسباب کے واسطے سے ہوگا، اسباب اختیار کروگے تو مسبب یعنی اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ مرتب فرمائے گا ورنہ نہیں یہ علامہ ابن قیمؒ کا بیان ہے۔

---

[1] الطب النبوی ص۱۵

التوکل الذی حقیقته، اعتماد القلب علی الله تعالیٰ ان الله قدر کذاوکذا بسبب فان اتیت بسبب حصل المسبب والا فلا [1]

علامہ ابن قیمؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی کے نزدیک توکل کی حقیقت

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: بلاشبہ توکل ترکِ اسباب کے بغیر ممکن نہیں، حق یہی ہے، لیکن یہ ترکِ اسباب اعضاء جوارح سے نہیں بلکہ محض دل سے ہو، یعنی عمل میں تو اسباب اختیار کرے اور دل سے اس پر اعتماد نہ کرے بلکہ اعتماد اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرے، خلاصہ یہ کہ توکل کی حقیقت دل سے ترکِ اسباب اور اعضاء وعمل سے اخذِ اسباب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، توکل میں اسباب سے انقطاع بھی ہوتا ہے اور اتصال یعنی تعلق بھی، انقطاع دل سے، اور تعلق اعضاء وعمل سے، یہ ہے توکل کی حقیقت، علامہ ابن قیمؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

قال ابن القیمؒ: إن التوکل لایصح إلا برفض الأسباب وھذا حق، لکن رفضھا عن القلب لاعن الجوارح، فالتوکل لایتم إلا برفض الأسباب عن القلب وتعلق الجوارح بھا، فیکون منقطعاً منھا متصلا بھا، [2]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ توکل کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قال الشیخ ولی الله الدھلوی: ألتوکل أن یغلب علیه الیقین حتی یفتر سعیه فی جلب المنافع ودفع المضار من قبل الأسباب، ولکن یمشی علی ماسنه الله تعالیٰ فی عباده من الأکساب من غیر اعتماد علیھا، [3]

[1] الطب النبوی ص ۱۷ [2] فتح الملہم ص ۴۰۰ ج ۲ [3] فتح الملہم ص ۳۹۹ ج ۲

یعنی توکل کی حقیقت یہ ہے کہ دفع مضرت، جلب منفعت کے اسباب تو اختیار کرے لیکن یقین کا غلبہ (یعنی اللہ تعالیٰ پر اعتماد اس درجہ) ہونا چاہئے کہ یقین کے مقابلہ میں اسباب کی طرف توجہ کم ہو، لیکن اسباب کو اختیار کرے اور انھیں اسباب کو اختیار کرے جن کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع کیا ہے، اور بھروسہ صرف اللہ ہی پر رکھے۔

اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

امام طبریؒ اور شارح بخاری حافظ ابن حجر شافعیؒ کا فیصلہ

حافظ بن حجرؒ نے فتح الباری ''کتاب الطب'' میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے، اور فیصلہ کن بات یہ تحریر فرمائی ہے کہ متعدد احادیث سے اسباب کا ثبوت ہوتا ہے، اور دوا، علاج، معالجہ ایسے شخص کے لئے قطعاً توکل کے منافی نہیں جس کا عقیدہ یہ ہو اللہ کی اجازت ومشیت اور اس کی تقدیر سے یہ اسباب مؤثر ہوتے ہیں، علاج کرنا اور اسی طرح نقصان اور ہلاکت کے اسباب سے پرہیز کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، یہ حافظ ابن حجرؒ کی عبارت کا ماحصل ہے۔

قال الحافظ فی الفتح تحت حدیث "ماانزل الله داء الاانزل له شفاء" وفیها کلها اثبات الاسبا ب ، وان ذالک لاینافی التوکل علی الله تعالیٰ لمن اعتقد انها باذن الله وبتقدیره، والتداوی لاینافی التوکل وکذالک تجنب المهلکا ت. [1]

دوسرے موقع پر حافظ ابن حجرؒ امام طبریؒ کے حوالہ سے اس سے زیادہ وضاحت

[1] فتح الباری کتاب الطب ص۱۳۴ ج۱۰

کے ساتھ متعدد مثالوں کے ذریعہ فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے جس کے بعد اس مسئلہ میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا، فرماتے ہیں:

''اسباب وتوکل کے باب میں حق بات یہ ہے کہ جس شخص کا اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہو اور اس کو اس بات کا پورا یقین ہو کہ حق تعالیٰ کی تقدیر اور اس کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا، ایسے شخص کا اسباب کا اختیار کرنا اس کے توکل میں ذرا بھی نقص نہ پیدا کرے گا۔

دیکھئے! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر دو زرہیں پہنیں، سر پر مغفر (خود) پہنی، گھاٹی کے سرے پر حفاظت کی غرض سے تیر اندازوں کو بٹھایا، (حفاظت کی غرض سے) مدینے پاک کے اردگرد خندق کھدوائی (کفار کی طرف سے صحابہ پر مظالم کے وقت ان کو) حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی، اور خود آپ نے بھی ہجرت فرمائی۔

کھانے پینے کے اسباب کو آپ نے اختیار فرمایا، اپنے گھر والوں کے لئے غذا (غلہ) کا ذخیرہ کر کے رکھا، اس کا انتظار نہ کیا کہ آسمان سے روزی نازل ہو جائے گی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے کہ آپ کو یہ بات حاصل ہوتی (یعنی آپ کے لئے آسمان سے رزق نازل ہوتا، بلکہ آپ اسباب کے تحت سال بھر کا غلہ جمع رکھتے تھے) اور جن صحابی نے آپ سے سوال کیا کہ ''میں اپنی اونٹنی کو باندھوں یا چھوڑ دوں؟'' آپ نے فرمایا باندھو اور باندھنے کے بعد اللہ پر توکل کرو، ان اعمال کو اختیار کر کے آپ نے بتلا دیا کہ اسباب کا اختیار کرنا یا نقصان دہ اسباب سے پرہیز کرنا توکل کے خلاف نہیں۔''

قال الحافظ فی الفتح قال الطبری: والحق ان من وثق باللہ وایقن ان قضائه علیه ماض لم یقدح فی توکلهٖ تعاطیه الاسباب فقد ظاهر

صلى الله عليه وسلم فى الحرب بين درعين ولبس علىٰ رأسه مغفر، .... الىٰ قولهٖ وادخر لاهلهٖ قوتهم ولم ينتظر عليه من السماء وهواحق ان يحصل ذالک وقال للذى سأله' اعقل ناقتى او ادعها؟ قال : "اعقلها وتوكل" [1]

دنیادارالاسباب ہے یہاں تو اسباب اختیار کرنا ہی اللہ کا حکم ہے

علامہ ابن الحاج مالکی کا فیصلہ

علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے اسباب کے تعلق سے عمدہ بحث فرمائی ہے، اوراسباب کے ضمن میں علاج معالجہ یعنی دواؤں کے استعمال اور رقیہ کے ذریعہ علاج کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکیؒ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ:

دوائیں ہوں یا دیگر اسباب، کوئی عقلمند ان بے جان اسباب کی طرف صحت وشفاء کو منسوب نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو بغیر سبب کے بھی شفاء دے سکتا ہے لیکن جب دنیا دارالاسباب ہے تو سنت الٰہیہ یہی جاری ہے کہ اس نے اپنی حکمت کے تقاضے سے اشیاء کے خواص ومنافع کو اسباب سے متعلق کر رکھا ہے۔

اوراسی حقیقت کی طرف حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارۃ فرمایا ہے اوراپنے اس قول "بسم اللہ ارقیک واللہ یشفیک" سے واضح فرمادیا کہ جس رقیہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی جائے وہ اللہ کے فعل اوراس کے فضل یعنی حصول شفاء کا ذریعہ ہے۔

الغرض چونکہ دنیا دارالاسباب ہے لہٰذا دیگر اسباب کی طرح علاج اور دواؤں کا

---

[1] فتح الباری شرح بخاری باب من لم یرق: ص۲٦۱ ج ۱۰

استعمال بھی حق تعالیٰ کے حکم سے کرنا چاہئے ۔علامہ ابن الحاج مالکیؒ عبارت درج ذیل ہے:

ولٰکن لما کانت الدنیادار اسباب جرت السنة فیھا بمقتضی الحکمة علی تعلق الاحکام بالأسباب، والیٰ ھذ المعنی اشار جبرئیل صلی الله علیه وسلم واوضحه، بقولهٖ لرسول الله صلی الله علیه وسلم "بسم الله ارقیک والله یشفیک" فبین ان الرقیة منه وھی سبب لفعل الله وھو الشفاء،ثم یتناول الدواء ویستعمله کما یستعمل جمیع الاسباب بمجرد الامر۔[1]

علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے کتاب اللہ اوراذ کار کے ذریعہ رقیہ کوسنت قرار دیا ہے ،البتہ عجمی لغت اور نامعلوم زبان سے رقیہ کرنے کوممنوع قرار دیا ہے اس احتمال کے بناپر کہ شاید اس میں کفر یا شرک کی آمیزش ہو۔

الحالة الرابعة اعنی الرقی بکتاب الله وبالا ذکار الوارده وذالک سنة ،قال الامام ابوعبدالله المارزیؒ ینھی عن الرقی اذاکانت باللغة العجمیة ،اوبمالایدریٰ معناه لجواز ان یکون فیه کفر۔[2]

توکل کے لئے ترک اسباب ضروری نہیں

امام غزالی شافعیؒ کا فیصلہ

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں مستقل باب کے تحت اسباب اور توکل کی بحث کوتحریر فرمایا ہے اور لمبی بحث کے بعد اسباب کی تین قسمیں اسبابِ قطعیہ،

[1] المدخل لابن الحاج المالکی ص۱۱۱ج ۴ [2] المدخل لابن الحاج المالکی ص۱۲۱ج ۴

ظنیہ ،وہمیہ تحریر فرماتے ہوئے فیصلہ کن بات یہ تحریر فرمائی ہے کہ توکل کے شرائط میں اسباب کو ترک کرنا نہیں ہے،اسباب اختیار کرنے کے ساتھ بھی آدمی متوکل رہتا ہے، البتہ اسباب وہمیہ (مثلا رقیہ،تعویذ،جھاڑ پھونک وغیرہ) گوجائز ہوں،توکل کے لئے ایسے اسباب وہمیۃ کے ترک کوضروری قرار دیا ہے،اس کے علاوہ اسباب قطعیہ وظنیہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے،اوران سب کو دلائل شرعیہ،احادیث نبویہ سے ثابت فرمایا ہے، امام غزالیؒ کی مختصر عبارت ہے۔

ولیس من شروط التوکل ترک الاسباب الدافعۃ را سا...تنقسم ھٰذہٖ الاسباب الیٰ مقطوع بھا ومظنونۃ والیٰ موھومۃ فترک الموھوم منھا من شرط التوکل وھی التی نسبتھا الی دفع الضرر نسبۃ الکی والرقیۃ الخ۔[1]

اسباب اختیار کئے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا فیصلہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں آیت **وَتَزَوَّدُوْ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِالتَّقْوٰی** کے تحت مسائل السلوک میں تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حالت سفر میں زادِراہ (توشہ) انتظام کرنے کا حکم دیا ہے جو ظاہر ہے کہ اسباب میں سے ہے،اوراس کے بعد تقویٰ کا حکم دیا ہے یعنی تقویٰ کے حاصل ہونے کو زادِراہ لینے پر موقوف کیا ہے،اگر زادِراہ کا انتظام کرو گے تو تقویٰ حاصل ہوگا ورنہ نہیں،اور تقویٰ حاصل کرنا واجب ہے لہٰذا زادِراہ لینا اور یہ سبب اختیار کرنا بھی واجب ہے حضرت تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں:

[1] احیاء العلوم الفن الثالث فی مباشرہ الاسباب ص ۲۷۱ ج ۴ مطبوعہ ممبئی

''یہ امر بالزاد کے لئے مثل مقدمہ ثانیہ کے ہے، اور تقریر مطلوب کی یہ ہے کہ زاد (توشہ لینا) تقویٰ کا سبب ہے اور تقویٰ واجب ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ زاد (توشہ لینا) سبب ہے واجب کا پس وہ بھی واجب ہے[1]

اسباب چھوڑ کر توکل کرنا تعلیمِ قرآن کے خلاف ہے

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا فیصلہ

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام اسباب ظاہری سے بالکل قطع تعلق کر کے اللہ پر اعتماد کیا جائے، بلکہ توکل یہ ہے کہ تمام اسباب ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرے اور اختیار کرے، اور پھر نتائج اللہ کے سپرد کرے، اور ان ظاہری اسباب پر فخر وناز نہ کرے، بلکہ اعتماد صرف اللہ پر رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، خود اسی جہاد میں مسلمانوں کے لشکر کو جنگ کے لئے منظّم کرنا، اپنی قدرت کے موافق اسلحہ اور دیگر سامانِ حرب فراہم کرنا، محاذ جنگ پر پہنچ کر مناسب حال ومقام نقشۂ جنگ تیار کرنا، مختلف مورچے بنا کر صحابہ کرام کو ان پر بٹھانا وغیرہ یہ سب مادی انتظامات ہی تو تھے جن کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے استعمال فرما کر بتلا دیا کہ مادی اسباب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان سے قطع نظر کرنے کا نام توکل نہیں۔

---

[1] بیان القرآن مسائل السلوک سورہ بقرہ

یہاں مؤمن اور غیر مؤمن میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مؤمن سب سامان اور مادّی طاقتیں حسب قدرت جمع کرنے کے بعد بھی بھروسہ وتوکل صرف اللہ پر کرتا ہے، غیر مؤمن کو یہ روحانیت نصیب نہیں، اس کو صرف اپنی مادّی طاقت پر بھروسہ ہوتا ہے، اور اسی فرق کا ظہور تمام اسلامی غزوات میں ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔[1]

نیز تحریر فرماتے ہیں:

فَاِذَاعَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ توکل ترکِ اسباب اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں، بلکہ اسبابِ قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنتِ انبیاء اور تعلیم قرآن کے خلاف ہے، ہاں اسبابِ بعیدہ اور دوراز کار فکروں میں پڑے رہنا یا صرف اسباب اور تدابیر ہی کو مؤثر سمجھ کر مسبّبُ الاسباب اور مدبّر الامور (یعنی اللہ تعالیٰ) سے غافل ہوجانا بے شک خلافِ توکل ہے۔[2]

اسباب کا منکر زندیق اور صرف اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک ہے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کا فیصلہ

بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں اس حقیقت کو بالکل واضح فرمادیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے، انبیا علیہم السلام اور صحابہ کرام نے بھی اسباب کو اختیار فرمایا ہے، اور اسباب اختیار کئے بغیر جب توحید کامل نہیں ہوسکتی نیز اس کے بغیر جب تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا تو پھر اسباب کے اختیار نہ کرنے کے کیا معنی؟ کس بنا پر اسباب کو ترک کیا جاسکتا ہے؟ ایسا شخص زندیق ہی ہوگا جو انبیاء کے طریقے سے ہٹ کر اسباب سے اعراض کرے اور اس کو اختیار نہ کرے۔

---

[1] معارف القرآن ص ۲۰۷ ج ۲ سورہ آل عمران پ ۴ [2] معارف القرآن ص ۲۲۷ ج ۲ سورہ آل عمران پ ۴

البتہ اس کے ساتھ چونکہ شریعت کا حکم یہ بھی ہے کہ اسباب تو اختیار کرو لیکن اسباب پر بھروسہ نہ کرو بلکہ پورا بھروسہ اللہ کی ذات ہی پر ہو اور یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اسباب پر مسبب اور نتیجہ مرتب ہوگا ورنہ نہیں، اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے صَرفِ نظر کرنے والا اور صِرف اسباب کو سب کچھ سمجھنے والا اور اسی پر نظر رکھنے والا مشرک ہوگا کیونکہ مشرکین ہی کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اسباب میں تاثیر ذاتی کے قائل تھے، اسباب کے تعلق سے مؤمن اور مشرک میں یہی فرق ہے کہ مومن اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اور اسباب سے فائدہ ہونے کو بھی اللہ کی مشیت پر موقوف قرار دیتا ہے، جب کہ مشرکین اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر بھی اسباب کو مؤثر مانتے ہیں، اسی پوری حقیقت کو حضرت مولانا الیاس صاحب نے چند مختصر لفظوں میں ارشاد فرمادیا ہے ،فرماتے ہیں:

''اسباب نہ کرنے والا زندیق اور پھر اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک''[1]

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، چنانچہ دوا، علاج معالجہ، پرہیز جو سب اسباب ظنیہ میں سے ہے ایسے اسباب اختیار کرنے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کو آپ کتنا ضروری سمجھتے تھے اور اس کے مطابق آپ کا کتنا عمل تھا، آپ کے مندرجہ ذیل ارشاد سے واضح ہے۔

اخیر عمر میں جب کہ آپ پر توکل اور توحید و تبلیغ کا غلبہ بھی تھا اس وقت آپ جن حکیم صاحب کے زیر علاج تھے ان کی تشریف آوری کے وقت حکیم صاحب سے آپ نے ارشاد فرمایا:

''حکیم صاحب! میں تو آپ کے پرہیز کے مطابق عمل کرنا شرعی فرض سمجھتا ہوں

---

[1] ارشادات ومکتوبات مولانا محمد الیاسؒ ص ۱۰۶

کیا یہ کم ہے کہ میں نماز میں قیام کے ثواب سے سے محروم ہوں (اور بجائے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کے بیٹھ کر ادا کرتا ہوں) [1]

نیز ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

پرہیز کرنا فرض ہے، علاج سنت ہے۔[2]

بلکہ اسباب کی تیسری قسم یعنی اسباب وہمیہ جس کا مصداق رقیہ وغیرہ قرار دیا گیا ہے، اخیر عمر میں رقیہ یعنی لوگوں کا آپ پر اہتمام سے دم کرنا اور آپ کا دم کروانا بھی منقول ہے، ملاحظہ ہو مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دینی دعوت ص ۲۵۱

اسباب کے تعلق سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے چند ارشادات

اسباب کے تعلق سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے چند بصیرت افروز واضح ارشادات اور ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

''اسباب ہوتے ہوئے اسباب پر نظر نہ ہو مشکل ہے، اسباب نِعم (یعنی حق تعالیٰ کی نعمتیں) ہیں، اسباب کا تلبّس استعمالِ نعمت کے درجہ میں ہو، نہ کہ ان پر نظر جم کر خالق کے بجائے ان سے جی لگ جائے''[3]

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

اسباب کو برتنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اسباب پر نظر کرنا توکل کے خلاف ہے۔[4]

اسباب کو اوامر (یعنی حکم شرعی) کے ماتحت برتو، نہ کہ اسباب کو یقین کا درجہ دے دو۔[5]

---

[1] مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دینی دعوت ص ۱۶۲ [2] ارشادات ومکتوبات ص ۶۷ [3] ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ ص ۹ [4] ارشادات ومکتوبات ص ۱۶۱ [5] (ارشادات ومکتوبات ص ۷۵

ایک ملفوظ کے ضمن میں ارشادفرماتے ہیں:

دنیاوی کاموں کے اسباب ہیں کہ اولاد کی ضرورت ہے تو اس کے اسباب اختیار کرو اور پھر دعا کرو، اسباب پر بھروسہ مت کر بیٹھو۔[1]

ایک جگہ ارشادفرماتے ہیں:

جتنا کر سکتے ہو اتنا کر کے اللہ کے حوالے کر دو، پھر توکل کرو۔(ص۲۴)

نیز ارشادفرماتے ہیں:

پہلے اسباب میں خوب کوشش کرلیوے اور (پھر) اللہ پر بھروسہ کرے۔(ص۸۵)

اسباب حاصل نہ ہونے کی صورت میں ہدایت فرماتے ہیں:

''اسباب ختم ہونے کے بعد (یعنی اسباب حاصل نہ ہونے کی صورت میں مایوسی اور) یاس نہ آنے پائے، اللہ سے مایوس نہ ہونا چاہئے، بس اس وقت (یعنی جب اسباب کا اختیار کرنا بس میں نہ ہو اس وقت) اللہ تعالیٰ سے مانگو، اضطراری حالت کی دعا قبول ہوتی ہے''۔[2]

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ان ارشادات سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ کائناتی نظام کے تحت دینوی اور مادی اسباب اہل ایمان کے لئے بھی صرف امتحان کے لئے نہیں بلکہ اختیار کرنے کے لئے ہیں، البتہ اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی نظر صرف اللہ ہی پر رہنی چاہئے۔

---

[1] ارشادات ومکتوبات ص۲۰ [2] (ارشادات ومکتوبات مولانا محمد الیاس صاحبؒ مطبوعہ دہلی ص۲۷

اسباب کی اہمیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نظر میں سیرت طیبہ کی روشنی میں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے بڑھکر متوکل کون ہوسکتا ہے، متوکلوں کے امام، متوکلوں کے حاکم، متوکلوں کے معلم، متوکلوں کے سردار اور پیشوا جن سے دنیا نے توکل کا سبق سیکھا، آپ نے واقعات پرغور کیا، آپ نے گردوپیش کا جائزہ لیا، آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے بدر میں ایک جگہ کے بارے میں حکم دیا کہ اس جگہ پڑاؤ ڈال دیا جائے، ایک صحابی (حباب بن المنذر) آئے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے اس جگہ کا انتخاب تقدیر الٰہی سے کیا ہے تو ہمارے لئے بولنے کی کوئی گنجائش نہیں، ہمیں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ آپ نے اللہ کے حکم سے اس جگہ کا انتخاب کیا، لیکن اگر آپ نے بحیثیت قائد کے مناسب سمجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا ہے، بحیثیت انسان کے آپ نے اس جگہ کا انتخاب کیا ہے تو ہم ادب کے ساتھ عرض کریں گے کہ یہ جگہ جنگ کے لئے مناسب نہیں، یہاں پانی نہیں ہے، یہاں ہمارے سپاہیوں کو بڑی تکلیف ہوگی، آپ نے وہ مشورہ مان لیا اور لشکر کی وہ جگہ تبدیل کردی، اور جو جگہ مناسب تھی اس جگہ کا آپ نے انتخاب کیا، آپ کہہ سکتے تھے کہ نصرت تو خدا کے ہاتھ میں ہے، فیصلہ تو آسمان سے ہوتا ہے، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، ہم چٹیل میدان میں، ہم کسی پہاڑ پر لشکر گاہ بنا سکتے ہیں، اللہ کی مدد آئیگی، تو ہم کو فتح ہوگی، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا (بلکہ آپ نے اسباب کا لحاظ کرتے ہوئے ان صحابی کے مشورہ کو قبول فرمالیا)[1]

[1] سیرت ابن ہشام ص۲۰۴ ج۲

اسی طرح غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ نے مدینہ میں رہ کر دشمنوں کے لشکر سے مقابلہ کرنا چاہا تو حضرت سلمان فارسی آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے موقع پر جب مقابلہ کرنے والے تھوڑی تعداد میں ہوں اور ان کے پاس وسائل کی کمی ہو تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیا کرتے ہیں اور خندق کے سائے میں بیٹھ کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں، آپ نے فوراً ان کا مشورہ قبول فرمالیا☆

پہلے اسباب پھر توکل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ (پاکستان) کا مختصر مضمون

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرو، لیکن تمہارا بھروسہ ان اسباب پر نہ ہونا چاہئے بلکہ بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اور ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد یہ دعا کرو کہ یا اللہ! جو کچھ میرے بس میں تھا اور جو ظاہری تدابیر اختیار کرنا میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کرلیا لیکن یا اللہ ان تدابیر میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، ان تدابیر کو کامیاب بنانے والے آپ ہیں، آپ ہی ان میں تاثیر عطا فرمایئے اور آپ ہی ان کو کامیاب بنایئے۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تدبیر اختیار کرنے کی اجازت دی بلکہ تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا کہ تدبیر اختیار کرو اور ان اسباب کو اختیار کرو، اس لئے کہ ہم نے ہی یہ اسباب

---

[1] زاد المعاد ص ۱۱۷ ج ۲ ☆ ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد زبان کی بنیاد پر ہونے والے فساد کے موقع پر کلکتہ کے ایک جلسۂ عام میں حضرت مولانا علی میاںؒ نے یہ تقریر فرمائی تھی جس کا اقتباس درج کیا گیا، حضرت مولانا کی یہ پوری تقریر ریکارڈ کرلی گئی تھی، احقر کے پاس نیز ندوۃ العلماء کے دوسرے اساتذۃ وطلباء کے پاس محفوظ ہے۔ اس واقعہ کو مولانا علی میاں صاحبؒ اپنی کتاب ”نبی رحمت“ ص ۲۵۱، ۲۱۷ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

تمہارے لئے پیدا کئے ہیں۔

لیکن تمہارا امتحان یہ ہے کہ آیا تمہاری نگاہ ان اسباب کی حد تک محدود رہ جاتی ہے یا ان اسباب کے پیدا کرنے والے پر بھی جاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرمادیا تھا کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب پر رہتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف حکم ہے۔

ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگل میں اونٹنی لے کر جاتا ہوں اور وہاں نماز کا وقت آجاتا ہے، تو جب نماز کا وقت آجائے اور اس وقت جنگل میں میں نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ کروں تو اس وقت اپنی اونٹنی کا پاؤں کسی درخت کے ساتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا اس اونٹنی کو نماز کے وقت کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"اِعقل ساقھا و توکل"**

یعنی اس اونٹنی کی پنڈلی رسّی سے باندھ کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، یعنی آزاد نہ چھوڑو بلکہ اس کو پہلے رسّی سے باندھ دو، لیکن باندھنے کے بعد پھر بھروسہ اس رسّی پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو، اس لئے کہ وہ رسّی ٹوٹ بھی سکتی ہے، وہ رسّی دھوکہ بھی دے سکتی ہے، لہٰذا توکل اور اسباب کا اختیار کرنا یہ دونوں چیزیں ایک مومن کے ساتھ اس کی زندگی میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، پہلے اسباب اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہہ دے **اللھم ھٰذا الجُھد و علیک التکلان**۔[1]

یا اللہ جو تدبیر اور جو کوشش میرے اختیار میں تھی وہ میں نے کرلی اب آگے بھروسہ آپ کی ذات پر ہے۔[2]

[1] رواہ الترمذی ابواب الدعوات باب ۳۰ [2] اسلام اور جدید معاشی مسائل ص ۱۴۹، ۱۵۵

علماء اہل سنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ اور تمام فقہاء کا فیصلہ

اسباب کی تین قسمیں قطعیہ، ظنیہ، وہمیہ

اخیر میں علماء اہل سنت والجماعت اور جمہور علماء کا اسباب اختیار کرنے نہ کرنے کے تعلق سے جو شرعی فیصلہ ہے اس کو تحریر کیا جاتا ہے، جو فتاویٰ عالمگیری میں مذکور ہے جس کو علماء کی بڑی تعداد نے متفقہ رائے سے مرتب کیا ہے اور پوری امت نے اس کو تسلیم کیا ہے، آج تک کسی عالم نے اس کے خلاف نہیں کہا وہ یہ ہے:

اعلم أن الأأسباب المزيلة للضرر تنقسم الى مقطوع بهٖ كالماء المزيل لضرر العطش، والخبز المزيل لضرر الجوع ، والى مظنون كالفصد والحجامة وشرب المسهل، وسائر ابواب الطب وهى الاسباب الظاهرة فى الطب،والىٰ موهوم كاالكى والرقية.

اما المقطوع بهٖ فليس تركه من التوكل بل تركه حرام عندخوف الموت، واما الموهوم فشرط التوكل تركه' اذبهٖ وصف رسول الله صلى الله عليه وسلم والهٖ المتوكلين ،واما الدرجة المتوسطة وهو المظنونة كالدواء باالاسباب الظاهرة عندالاطباء ففعله ليس مناقضاً للتوكل ،بخلاف الموهوم وتركه' ليس محظوراً كذا فى الفصول العمادية[1]

ومن امتنع من الأكل حتى مات دخل النار بخلاف المريض الممتنع عن التداوى لان الاول مقطوع لدفع الهلاك.........وترك المقطوع معارضة مع الشارع فى ابطال سببه المشروع الخ[2]

پوری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں قطعیہ ،ظنیہ ،

[1] فتاویٰ عالمگیری ص۳۵۵ ج۵ [2] فتاویٰ بزازیہ علی الہامش، کتاب الکراہیۃ ،نوع فی المسجد ص۳۵۸ ج۶

وہمیۃ، اسباب قطعیۃ وہ ہیں جس پر نتیجہ مرتب ہونا یقینی ہو مثلاً پانی پینے سے پیاس بجھنا، روٹی کھانے سے بھوک دفع ہونا، اسباب ظنیۃ (جس پر نفع مرتب ہونے کا ظن غالب ہو) جیسے پچھنا لگوانا، دست آور دوالینا، اور علاج معالجہ کی تمام قسمیں اور مختلف صورتیں، طب وڈاکٹری کا پورا باب اسباب ظنیۃ میں سے ہے، تیسری قسم اسباب وہمیۃ ہے (جس پر نفع مرتب ہونے کا احتمال ہے) جیسے رقیہ جھاڑ پھونک وغیرہ۔

پہلی قسم یعنی اسباب قطعیۃ کا حکم یہ ہے کہ ایسے اسباب کو ترک کرنا توکل نہیں، بلکہ موت کے اندیشہ کے وقت ایسے اسباب کا ترک کرنا حرام ہے، البتہ اسباب وہمیۃ رقیہ جھاڑ پھونک والے اسباب کا ترک کرنا گو وہ جائز بھی ہوں لیکن توکل کے اعلیٰ مقام کے لئے ایسے اسباب کا ترک کرنا شرط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متوکلین کا یہی وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ رقیۃ (جھاڑ پھونک) نہیں کرتے، رہ گیا دوسرا درجہ یعنی اسباب ظنیۃ جیسے دواء علاج معالجہ اور دیگر تمام اسباب ظاہرہ تو ان اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل کے منافی نہیں، بخلاف اسباب وہمیۃ کے کہ ان کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے اور ان کا ترک کرنا ممنوع نہیں، جب کہ دوسرے اسباب (قطعیۃ وظنیۃ) کا ترک ممنوع ہے واللہ اعلم، یہ ہے فتاویٰ عالمگیری کی پوری عبارت کا حاصل۔

فتاویٰ بزّ ازیہ میں ہے کہ جس نے کھانا کھانا چھوڑ دیا حتی کہ مر گیا دوزخ میں داخل ہو گیا بخلاف اس بیمار کے جو علاج نہ کرائے، کیونکہ اول کا تعلق سبب قطعی سے ہے اور قطعی سبب کا ترک کرنا شریعت کا مقابلہ کرنا ہے۔

جمہور علماء اور اہل سنت والجماعت کے مذکورہ بالا فیصلہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اسباب کے مختلف اقسام ہیں، بعض اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے اور بعض اسباب کا اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور افضل ہے البتہ ایک قسم یعنی اسباب وہمیۃ جیسے رقیہ، عملیات، تعویذات، جھاڑ پھونک وغیرہ اگر چہ جائز ہوں

لیکن ایسے اسباب کا ترک کرنا افضل ہے (یہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے)۔

لہٰذا اسباب کے تعلق سے علی الاطلاق یہ کہنا کہ اسباب غیروں کے اطمینان کے لئے اور ہمارے امتحان کے لئے ہیں، اسباب پر اللہ کا کوئی وعدہ نہیں، کامل ایمان کی علامت یہ ہے کہ اسباب سے اثر اور نفع ہونے کا یقین بالکلیہ دل سے نکل جائے، اور اسباب جو اللہ کے بنائے ہوئے ہوں یا بندوں کے جب تک دونوں قسم کے اسباب کا انکار نہیں ہوگا ایمان ہرگز کامل نہیں ہوسکتا، یہ بات بھی علی الاطلاق صحیح نہیں کیونکہ جب اسباب اختیار کرنے کے ہم مکلّف ہیں پھر اس کے انکار کے کیا معنیٰ؟

اسباب قطعیہ کا جب قطعی اور یقین کے درجے میں باذن اللہ نافع ہونا ثابت ہے جیسے کھانا کھانے سے پیٹ بھرنا وغیرہ، اسی طرح اسباب ظنیہ کا جب ظن کے درجہ میں نافع ہونا ثابت ہے تو اس کے مطابق دل میں عقیدہ ہونا بھی کمال ایمان کے منافی نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسباب کا قطعی یا ظن کے درجہ میں نافع اور موثر ہونا اللہ کی مشیت اور اس کی اجازت پر موقوف ہے کہ یہ تاثیر اللہ کے رکھنے سے اور اس کی مشیت سے ہوئی ہے وہ جب چاہے اس خاصیت اور تاثیر کو سلب کرسکتا ہے۔

البتہ اللہ کی طرف سے نظر ہٹا کر اسباب ہی کو مؤثر بالذات سمجھنے کا عقیدہ جیسا کہ کفار ومشرکین اور ملحدین کا عقیدہ تھا یہ بیشک ایمان کے منافی ہے پھر جس درجہ کا یہ غلط خیال ہوگا اسی درجہ میں ایمان سے بُعد ہوگا اگر بالکلیہ تاثیر ذاتی کا عقیدہ ہوگا جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا تو یہ شخص دائرہ ایمان سے بھی خارج ہوجائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسباب کا اختیار کرنا ایک شرعی حکم ہے یہ محض امتحان کے لئے نہیں بلکہ اختیار کرنے کے لئے ہیں اور اسباب کے ذریعہ بندوں کو اطمینان بھی ہوتا ہے البتہ ساتھ ہی بندے اس کی بھی مکلّف ہیں کہ اسباب اختیار کرنے کے بعد پورا اعتماد ویقین اللہ کی ذات ہی پر ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اسبابِ ظنیہ ووہمیہ کے تعلق سے ایک ضروری وضاحت اور اس اشکال کا جواب کہ رقیہ کرنے والے اجلّۂ صحابہ وصحابیات کیا توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت اور امام غزالیؒ کے حوالہ سے ماقبل میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ اسباب وہمیہ (جس کا مصداق رقیہ جھاڑ پھونک وغیرہ ہے) کا ترک افضل ہے اور اس کا اختیار کرنا توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے:

سبعون الفاً یدخلون الجنة بغیر حساب ...هم الذین لایسترقون وعلیٰ ربهم یتوکلون (مختصراً)[1]

جس کا مطلب یہ ہے کہ ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے، اور وہ وہ لوگ ہوں گے جو رقیہ نہ کراتے ہوں گے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔

اس پر ایک قوی اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس نوع کے اسباب کا اختیار کرنا یعنی رقیہ کرنا، کرانا، اس کی ترغیب دینا، اس کی تعلیم دینا، اس کا حکم دینا اور اہتمام سے اس کو اختیار کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجلہ صحابہ وصحابیات نیز ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی بکثرت اور بار بار ثابت ہے۔

تو کیا نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجلّۂ صحابہ وصحابیات اور ازواج مطہرات توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟ اور ستر ہزار افراد جو بغیر حساب کتاب کے

---

[1] بخاری شریف باب من لم یرق حدیث:۵۷۵۲

جنت میں داخل ہوں گے جو حدیث کے بموجب وہ لوگ ہوں گے جو **لایسترقون** یعنی رقیہ نہ کراتے ہوں گے، تو کیا اجلہ صحابہ وصحابیات اور ازواج مطہرات بھی ان ستر ہزار لوگوں میں شامل نہ ہوں گے؟۔

کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے خود بھی اپنے لئے رقیہ کیا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی الرقیۃ الخ[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقیہ میں یہ کلمات....... پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے لئے رقیہ کیا، اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کے کرنے کا حکم بھی دیا، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاآویٰ الیٰ فراشہٖ نفث فی کفیہ بقل ھو اللہ احد وبالمعوذتین جمیعاً ...فلمااشتکیٰ کان یامرنی ان افعل بذالک بہٖ.[۲]

فلما ثقل کنت انا انفث علیہ بھن (بخاری شریف ۵۷۵۱)

عن عائشہ قالت امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نسترقی من العین۔[۳]

نیز بعض موقعوں پر صحابہ وصحابیات کو بھی آپ نے رقیہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہے:

استرقولھا فان بھا النظرۃ[۴]

---

[۱] بخاری شریف عن عائشہ حدیث ۵۷۴۶ [۲] بخاری حدیث: ۵۷۴۸ [۳] بخاری شریف حدیث: ۵۷۳۸
[۴] بخاری شریف حدیث ۵۷۳۹

اس بچی کے لئے رقیہ کرواسے نظر لگی ہے۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو نظر لگ جانے سے رقیہ کرنے کا حکم دیتے تھے۔

عن عائشه قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يامرني ان استرقي من العين[1]

نیز ایک مرتبہ ایک بچھو نے آپ کو ڈنک ماردیا اس کے موقع پر آپ نے خود اپنے لئے رقیہ کیا۔[2]

نیز دوسرے موقع پر ایک صحابی کو بچھو کے ڈنک مارنے پر صحابہ کو بھی رقیہ کی اجازت اور ترغیب فرمائی۔

جابر بن عبدالله يقول لدغت رجلا منا عقرب ونحن جلوس مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رجل يارسول الله ارقي؟ قال من استطاع منكم ان ينفع اخاه فليفعل۔[3]

نیز حدیث پاک میں آیا ہے کہ معتوہ ومجنون کا رقیہ کے ذریعہ آپ تین روز تک علاج فرماتے تھے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرقي المعتوه بالفاتحة ثلاثة ايام غدوة وعشيا ،كلما ختمها جمع بزاقه ثم تفله'۔[4]

نیز بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ پر خود بھی رقیہ کیا چنانچہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، دعاء پڑھی، ایک برتن میں پانی لیا، اس میں کچھ مٹی ڈالی اور دم کیا پھر

---

[1] مسلم شریف ص۲۲۳ ج۲ [2] بیہقی عن علی مشکوٰۃ شریف حدیث: ۴۵۶۷ [3] مسلم شریف باب استحاب الرقیہ من العین ص۲۲۳ ج۲ [4] ابوداؤد، نسائی، مرقاۃ ص۴۷۳ ج۸

وہ پانی ان کےاوپرڈالا(یہ خاص نوع کا رقیہ تھا جس کی تفصیل فتح الباری میں موجود ہے)

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیٰ ثابت بن قیس بن شماس وھو مریض فقال "اکشف الباء س رب الناس عن ثابت بن قیس بن شماس "ثم اخذترابا من بطحان فجعلہ فی قدح ثم نفث علیہ بماء وصبہ علیہ [1]

نیز رقیہ کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب بھی آپ نے دی،چنانچہ ایک صحابیہ(شفابنت عبداللہ) سےفرمایا کیاتم حفصہ کونملہ(جوایک مرض ہے) کا رقیہ نہیں سکھاؤ گی جیسا کہ تم نے اس کوکتابت سکھائی ہے؟۔

الاتعلمین ھٰذہٖ رقیۃ النملۃ کماعلمتیھا الکتابۃ [2]

نیز رقیہ کرنے والےصحابہ کی آپ نے حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔

چنانچہ ایک صحابی نے رقیہ کر کے اجرت لی تو اس کے جواز میں صحابہ کو تر ددتھا ،آپ سے سوال کیا گیا تو آپ ہنسے اوران صحابی سے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس سورت میں رقیہ(مرض کا علاج) ہے؟اجرت لےلو،میرا بھی اس میں حصہ لگاؤ۔

۔۔۔فضحک وقال مااداراک انھا رقیۃ خذوھا واضربولی بسھم [3]

نیز عمومی انداز میں آپ نے رقیہ کرنے کی ترغیب بھی دی،چنانچہ ایک صحابی سے ان کا رقیہ سننے کے بعد فرمایا:اس رقیہ میں کوئی حرج نہیں،تم میں سے جوشخص اس راہ سے اپنے بھائی کونفع پہنچا سکتا ہو پہنچانا چاہئے۔

ماارى بھابأساً من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [4]

---

[1] ابوداؤدشریف باب ماجاء فی الرقی،بذل ص۸ج۵،فتح الباری ص۲۵۶ج۱۰ [2] ابوداؤد،مشکوٰۃ شریف حدیث۴۵۶۱،بذل ص۸ج۵ [3] بخاری شریف باب الرقی بفاتحۃ الکتاب حدیث ۵۷۳۶
[4] مسلم شریف حدیث ۲۱۹۹مشکوٰۃ شریف حدیث ۴۵۲۹

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ ایک یہودیہ سے رقیہ کرایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ کتاب اللہ سے کرنا۔

ان ابابکر الصدیق دخل علیٰ عائشہ وھی تشتکی ویھودیہ ترقیھا فقال ابوبکر ارقیھا بکتاب اللہ۔[1]

نیز بعض صحابہ کرام نے اپنے بچوں کو تعویذ پہنایا:

وکان عبداللہ بن عمرو یعلمھا من بلغ من ولدہٖ ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صک ثم علقھا فی عنقہٖ.[2]

نیز ولادت کے آسانی کا تعویذ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جس کو علامہ ابن تیمیہ وابن قیم نے نقل فرمایا ہے، ساتھ ہی سلف کی جماعت سے رقیہ کے طور پر آیات قرآنیہ لکھ کر پلانے کو بھی تحریر فرمایا ہے۔

ورای جماعة من السلف أن یکتب له الآیات من القرآن ثم یشربھا، قال مجاھد لابأ س أن یکتب القرآن ویغسلہ' ویسقیہ المریض ومثلہ' عن ابی قلابة،ویذکر عن ابن عباس انه' امر أن یکتب لامرأة یعسر علیھا ولادھا الخ۔[3]

کان شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یکتب علیٰ جبھتہٖ "وقیل یاارض ابلعی ماء ک الخ"

[1] موطا مالک، اوجز ص۳۰۹ ج ۶ [2] ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ شریف ص۲۱۷
[3] فتاویٰ ابن تیمیہ ص۶۴ ج۱۹ الطب النبوی ۱۷۶، زادالمعاد ص۱۸۰ ج۳

رقیہ کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا فتویٰ

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

الاسترقاء طلب الرقية وهو من انواع الدعاء (الجامع الفريد، كتاب الزيارة المسألة السابعة ص ۴۳۱)

استرقاء، رقیہ کرانے (یعنی جھاڑ پھونک کرانے کو) کہتے ہیں، جو دعا کے اقسام میں سے ہے۔

رقیہ کا حکم تحریر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

واما قول السائل هل هٰذا مشروع؟ فهٰذا من افضل الاعمال وهو من اعمال الانبياء والصالحين فانه مازال الانبياء والصالحون يدفعون الشياطين عن بني آدم الخ (فتاویٰ ابن تیمیه ص ۶۳ ج ۱۹)

رہا سائل کا یہ سوال کہ کیا رقیہ جائز ہے؟ تو یہ تو افضل اعمال میں سے ہے، انبیاء وصلحاء کے معمولات میں سے ہے کیونکہ انبیاء وصلحاء رقیہ کے ذریعہ بنوآدم سے شیطانوں کو بھگاتے تھے۔

رقیہ کے تعلق سے ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

يجوز بل يستحب وقد يجب ان يذب عن المظلوم الخ (حوالہ مذکور)

رقیہ جائز بلکہ مستحب اور بسا اوقات واجب ہوجاتا ہے کہ اس نوع کے مظلوم کی رقیہ کے ذریعہ مدد کی جائے۔

دوسرے موقع میں تحریر فرماتے ہیں:

ويجوز ان يكتب للمصاب وغيره من المرضىٰ شيأً من كتاب الله وذكره بالمداد ويغسل ويسقىٰ كمانص على ذالك احمد وغيره (فتاوىٰ ابن تيميه ص ۵۰، ۵۷، ۶۴ ج ۱۹)

مصیبت زدہ بیمار وغیرہ حضرات کے لئے روشنائی سے کتاب اللہ وذکر اللہ میں سے کچھ لکھنا اور دھوکر پلانا جائز ہے، حضرات امام احمد وغیرہ نے اس کے جواز کی صراحت فرمائی ہے۔

رقیہ کی بابت شارح حدیث ملا علی قاریؒ کی تحقیق

حضرت ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں ایسے رقیے کے متعلق جو آیات قرآنیہ، اسماء الٰہیہ کے ذریعہ کئے جائیں تحریر فرماتے ہیں:

فلابأس بل یستحب سواء کان تعویذا أورقیة او نُشرة (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵۰۹ ج ۴ قدیم)

یعنی آیات قرآنیہ، اسماء الٰہیہ کے ذریعہ جو رقیہ کیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے خواہ تعویذ کی شکل میں ہو یا رقیہ (جھاڑ پھونک، دم کرنے) یا نشرہ (یعنی لکھ کر گھول کر پلانے) کی شکل میں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارکپوریؒ کی تحقیق

غیر مقلدوں کے بڑے عالم اہل حدیث جناب علامہ مبارک پوریؒ نے اپنی کتاب ''تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی'' کے مقدمہ میں اس مسئلہ سے متعلق تحقیقی کلام فرمایا ہے اور دلائل کے ساتھ واضح طور پر فرمایا ہے کہ:

''ایسا رقیہ جس میں شرک نہ ہو اور ایسے کلمات بھی نہ ہوں جس کے معنی معلوم نہ ہوں، ایسا رقیہ بالاتفاق جائز ہے، اور کسی رقیہ کا جواز اس کے کتاب وسنت سے ثبوت اور منقول ہونے پر موقوف نہیں (یعنی کسی رقیہ کی جواز کے لئے اس رقیہ کا منقول وماثور ہونا ضروری نہیں بلکہ تجربہ اور ظن غالب سے جس رقیہ کا مقصد میں مفید ہونا معلوم ہو، جواز کے لئے اتنا کافی ہے، بس اتنی شرط ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کلمات شرکیہ اور نا معلوم المعنی سے کلمات سے خالی ہو)۔

اسی طرح مریضوں کی شفایابی کے لئے نیز دفع مصائب اور حصول مقاصد

کے لئے ختم بخاری شریف کا نہ صرف جواز بلکہ اہل علم اور محدثین کے حوالہ سے اس کا مفید وموثر ہونا تحریر فرمایا ہے، ان کی مختصر عبارت درج ذیل ہے۔

''ان صحيح البخاری ماقرئ فی شدة الا فرجت ولا رکب به فی مرکب الانجت''.

قلت: قداجاز کثیر من أهل العلم فی هذالزمان قرآة صحیح البخاری وختمهٖ لشفاء الأمراض ودفع المصائب وحصول المقاصد فیجتمعون ویقرابعضهم الجزء الاول منه مثلاً وبعضهم الجزأ لثانی وبعضهم الثالث وهٰکذا فیجتمعون باجتماعهم ثم یدعون الله تعالیٰ لشفاء مرضاهم اولدفع مصائبهم اولحصول مقاصدهم .

واستدلواعلیٰ ذالک بان قراء ته' بتمامهٖ رقیة لشفاء المرضیٰ ودفع المصائب وحصول المقاصد .... والرقیة بمالیس فیه شرک ولا کلمة لایفهم معناها جائزة بالاتفاق........ وجواز الاسترقاء به لایتوقف علی ثبوت کونهٖ رقیة من الکتاب والسنه...... الخ [1]

رقیہ کے متعلق سعودی حکومت کے دارالافتاء کا فتویٰ

نیز سعودی حکومت کی ماتحتی میں وہاں کے معتمد کبار اہل علم وارباب افتاء پر مشتمل کمیٹی جو فتاویٰ صادر کرتی ہے جس میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز وغیرہ حضرات جیسے لوگ شامل ہیں، جن کے فتاویٰ تمام عالم میں قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور قابل قبول سمجھے جاتے ہیں، ان حضرات کا فتویٰ بھی رقیہ کے نہ صرف جواز کا بلکہ استحباب کا ہے۔

السوال الرابع من الفتویٰ رقم ۴۰۸٦

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۹۳

س: هل تجوز قرأة القرآن لمريض لوجه الله تعالىٰ اوباجرة؟

ج: اذا كان المقصد ان يرقي المريض بالقرآن فذالک جائز بل مستحب لقول النبي صلى الله عليه وسلم "من استطاع منكم ان ينفع اخاه فلينفعه"[1]

ولفعله ذالک واصحابه رضي الله عنهم، والاولىٰ ان يكون بغير اجرة، وان كان باجرة جاز لثبوت السنة بجواز ذالک، [2]

اس فتوے میں مریضوں کی شفاء کے لئے قرآن پاک سے رقیہ کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب لکھا ہے۔

واقعی اہم سوال

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارے اجلہ صحابہ وصحابیات، وازواج مطہرات نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء وصلحاء اور فقہاء کیا خلاف افضل کو اختیار کئے ہوئے تھے کیونکہ رقیہ کرتے اور کراتے اور اس کی اجازت دیتے تھے؟ اور کیا یہ حضرات خلاف توکل امر کو اختیار کرنے کی وجہ سے توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز نہ تھے؟ اور کیا یہ سارے حضرات بھی ستر ہزار کی اس فہرست سے خارج ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخل کئے جائیں گے؟

قابل غور بات یہ ہے کہ رقیہ کرنا کرانا اور اس کے ذریعہ مخلوق کی مدد کرنا، مظلوم کو ظلم سے بچانا خلاف توکل اور خلاف افضل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ ملا علی قاری ؒ اس کو مستحب اور علامہ ابن تیمیہ ؒ اس کو مستحب اور بعض موقعوں پر واجب بھی قرار دیتے ہیں، اور آج بھی عرب وعجم کے معتمد علماء اس کے جواز واستحباب کا فتویٰ دے رہے ہیں؟

---

[1] مسنداحمد ص ۳۸۲ ج ۲ [2] فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء ص ۱۵۹

سوال کا واضح جواب

اس اشکال کا جواب شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ، ملاعلی قاریؒ وغیرہم نے اپنی شروح میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، مختصر اور آسان جواب یہ ہے کہ اغراض ومقاصد اور وسائل وطرق کے لحاظ سے رقیہ رقیہ میں فرق ہوتا ہے، نیز حسن نیت اور فساد عقیدہ کی جہت سے بھی اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، ہر رقیہ کا حکم یکساں نہیں ہے، بلکہ اس میں تفصیل ہے جو درج ذیل ہے۔

(۱) ہر ایسا رقیہ جو آیات قرآنیہ، اسماء الٰہیہ، ادعیۃ مسنونہ ومشروعۃ کے ساتھ ہو جس میں اللہ تعالیٰ ہی سے استغاثہ واستعانت ہو۔

جائز مقصد کے لئے مثلاً کسی مظلوم کی مدد کرنے یا کسی بیمار و پریشان حال کی بیماری اور پریشانی دور کرنے کے لئے۔

حسن نیت سے یعنی اتباع سنت کی نیت سے یا مخلوق کی خدمت کے نیت سے ہو، اپنے لئے ہو یا دوسرے کے لئے، خود کرتا ہو یا دوسرے سے کراتا ہو سب درست اور جائز بلکہ مستحب ہے۔

بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ کے فرمان کے مطابق بعض صورتوں میں (یعنی کسی بیمار کی یقینی تکلیف اور پریشانی ہونے اور اس کے ازالہ کی قدرت ہونے کی صورت میں) حسب استطاعت رقیہ کے ذریعہ تکلیف دور کرنا اور مصیبت زدہ کی مدد کرنا واجب ہے۔

الغرض اس نوع کے جتنے رقیے اور جس شکل میں بھی ہوں گے وہ نہ خلاف افضل ہیں اور نہ ہی توکل کے اعلیٰ مقام کے منافی، اور نہ ہی ایسے رقیہ کرنے والے حضرات جنت میں بے حساب کتاب جانے والوں کی فہرست سے خارج کئے جائیں گے۔

(۱) اسی نوع کے رقیوں کو حضرت ملاعلی قاریؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ نے مستحب اور انواع دعا میں شمار کیا ہے کیونکہ اس میں براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا واستغاثہ و استعانت اور اللہ ہی پر توکل ہے۔

علامہ ابن قیم اور علامہ قرطبیؒ کی تحقیق

(۲) بلکہ علامہ ابن قیمؒ اور علامہ قرطبیؒ کی تصریح کے مطابق اس قسم کے رقیوں میں (جن میں اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور اسی کو شافی سمجھتے ہوئے براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے استغاثہ واستعانت کی جائے ایسے رقیوں میں) کمال توحید بھی ہے اور کمال توکل بھی، اور کمال توسل الی اللہ اور تفویض الی اللہ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کو مقصود اور شافی سمجھ کر اسی کی طرف رغبت اور التجا کی جاتی ہے تو پھر یہ توکل اور توحید کے منافی کیسے ہوسکتا ہے؟ ابن قیمؒ کے عبارت ملاحظہ ہو:

۔۔۔ففی هٰذہٖ الرقیة توسل الی الله بکمال ربوبیتهٖ و کمال رحمتهٖ بالشفاء، وانه' وحده' الشافی، وانه' لاشفاء الا شفاؤ ه'، فتضمنت التوسل الیه بتوحیدهٖ۔۔۔لمافیه من برکة ذکراسم الله وتفویض الأمر الیه والتوکل علیه[۱]

۔۔لانه' تعالیٰ هو المرغوب الیه والتوکل علیه فی الاستشفاء بالقرآن[۲]

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز صحابہ وصحابیات، ازواج مطہرات اور اسلاف کے رقیے اسی نوع کے ہوتے تھے، اس لئے نہ وہ خلاف افضل ہیں نہ توکل کے منافی، اور ایسے ہی رقیوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **من استطاع منکم ان ینفع اخاه فلینفعه'** (مسلم شریف)

کہ اس راہ سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو پہنچائے۔

[۱] الطب النبوی ص۱۹۵،۱۹۴ [۲] تفسیر قرطبی ص۲۰۷ ج۱۰

شارح بخاری علامہ عینیؒ کی تحقیق

(۴) علامہ عینیؒ شرح بخاری میں ''لایسترقون'' کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابو الحسن القابسی یرید بالاسترقاء الذی کانوا یسترقون به فی الجاهلیة، واما الاسترقاء بکتاب الله فقد فعله' صلی الله علیه وسلم وامربهٖ ولیس بمخرج عن التوکل وقدامر صلی الله علیه وسلم غیر واحد من الصحابة بالرقیة وسمع بجماعة یرقون فلم ینکر علیهم[1]

علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو رقیہ کرنے کا حکم دیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو رقیہ کرتے سنا لیکن کسی پر نکیر نہیں فرمائی، حدیث پاک میں جس رقیہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد زمانۂ جاہلیت کا رقیہ ہے، باقی کتاب اللہ سے رقیہ تو یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے، یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی تحقیق

(۵) محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ رقیہ مطلقاً خلاف توکل نہیں بلکہ جس نوع کے اسباب ورقیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے صرف اسی نوع کے رقئے خلاف توکل ہوں گے، چنانچہ حدیث لایسترقون کے تحت فرماتے ہیں:

انما وصفهم النبی صلی الله علیه وسلم بهٰذا اعلاماً بان اثر التوکل ترک الاسباب التی نهی الشارع عنها ،لاترک الاسباب التی سنها الله تعالیٰ لعبادهٖ[2]

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۲۴۵ ج ۲۱ [2] حجۃ اللہ البالغہ، فتح الملہم ص ۳۹۸ ج ۲

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں کہ:

''میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ وہ لوگ ہوں گے جو رقیہ نہ کراتے ہوں گے''

آپ نے اپنے اس فرمان میں امت کو اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جن اسباب کے اختیار کرنے سے شارع نے منع کیا ہے ان کو ترک کر دیا جائے، توکل کا تعلق انہی اسباب ممنوعہ کے ترک سے ہے، نہ کہ ان اسباب کو ترک کرنے سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع اور جائز رکھا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مطلقاً رقیہ کو ممنوع قرار دیا ہے یا بعض رقیوں کی اجازت بھی دی ہے؟ اس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوجاتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

''لاباء س بالرقی مالم یکن فیه شرک''[1]

یعنی ایسے رقیوں میں کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ ہو۔

جب ایسے رقیوں کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے تو یہ اسباب ممنوعہ ومنہی عنہا میں داخل ہی نہ ہوں گے، لہٰذا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحقیق وتصریح کے مطابق ایسے رقیوں کا اختیار کرنا خلاف توکل بھی نہ ہوگا۔

دوسرے موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے پوری وضاحت وصراحت اور پورے وثوق کے ساتھ یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ رقیہ سے متعلق جو بھی حدیث پائی جاتی ہے جس میں رقیہ اور تمیمہ، تِولَہ کو منع کیا گیا ہے وہ ساری حدیثیں ایسے ہی رقیوں اور تمائم پر محمول ہیں جن میں شرک پایا جاتا ہو، یا رقیہ اور تمیمہ پر ایسا قوی بھروسہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری غفلت ہو بس ایسے ہی رقئے اور تمیمہ کی ممانعت ہے ورنہ

[1] مسلم شریف، باب لاباس بالرقی مالم یکن فیہ شرک حدیث ۵۶۹۶

نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت یہ ہے:

وکل حدیث فیه نهی عن الرقی والتمائم والتولة فمحمول علیٰ مافیه شرک أوانهماک فی التسبب بحیث یغفل عن الباری جل شانهٗ [1]

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: رقیہ میں ایسے کلمات سے تمسک ہوتا ہے جو عالم امثال میں مؤثر ہوتے ہیں، قواعد شرعیہ اس کو بالکل منع نہیں کرتے جب تک کہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، خصوصاً وہ رقیہ جو قرآن وسنت یا اس کے مشابہ کلمات سے کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف التجا اور اسی سے استغاثہ ہو وہ کیونکر ممنوع اور خلاف توکل ہوسکتا ہے۔

واما الرقی فحقیقتها التمسک بکلمات لها تحقق فی المثال واثر، والقوعدالملیة لا تدفعها مالم یکن فیها شرک لا سیما اذاکان من القرآن اوالسنةاو ممایشبههما من التضرعات الی الله [2]

رقیہ کے جواز کی تین شرطیں

فائدہ: علماء محققین وشراح حدیث حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ وغیرہ نے اس بات پر علماء کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ رقیہ جائز ہے، وہ شرطیں یہ ہیں۔

(۱) اللہ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات کے ذریعہ رقیہ کیا جائے۔

(۲) عربی لغت میں ہو یا ایسی زبان میں جس کے معنیٰ معلوم ہوں (تاکہ کلمات کفریہ وشرکیہ سے پورے طور پر حفاظت رہے)

(۳) یہ عقیدہ نہ ہو کہ یہ رقیہ ہی مؤثر بالذات ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قدرت سے اس میں تاثیر کا عقیدہ ہو۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ہندیہ ص۱۹۴ ج۲ [2] حجۃ اللہ البالغہ ہندیہ ص۱۹۴ ج۲

قال الحافظ فی الفتح وقدأجمع العلماء علٰی جواز الرقی عند اجتماع ثلٰثۃ شروط ان یکون بکلام اللہ تعالیٰ اوباسمائہٖ وصفاتہٖ، وباللسان العربی او بما یعرف معناہ من غیرہٖ ، وان یعتقد ان الرقیۃ لاتوثر بذاتھا بل بذات اللہ تعالیٰ [1]

فائدہ: حافظ ابن حجرؒ نے علامہ قرطبی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ رقیہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) زمانہ جاہلیت کے رقیے جس کے معنی معلوم نہ ہوں، احتمال شرک کی بنا پر ایسے رقیوں سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

(۲) کلام الٰہی یا اسماء الٰہیہ کے ذریعہ رقیہ کیا جائے، ایسے رقیے بلا شبہ جائز ہیں، پھر اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بھی ہیں تو ایسے رقیے مستحب بھی ہیں۔

(۳) کلام الٰہی (کتاب اللہ) اسماء الٰہیہ کے علاوہ کسی اور دوسری عبارت یا اسماء کے ذریعہ یا مخلوقات میں سے کسی کے تذکرہ کے ذریعہ رقیہ کیا جائے (بشرطیکہ مخلوق سے استغاثہ واستعانت نہ ہو) مثلاً کسی فرشتہ یا عرش وغیرہ کا نام لکھا جائے، ایسے رقیوں سے بچنا واجب تو نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ایسے رقیے ہیں جس میں اللہ کی طرف التجا اور اس سے استعانت کی جائے یا اس کے اسماء کے ذریعہ برکت حاصل کی جائے، ایسے رقیوں کا حکم یہ ہے کہ اس کا ترک افضل واولیٰ ہے۔

قال الحافظ فی الفتح قال القرطبی : الرقی ثلاثۃ اقسام.

احدھا: ماکان یرقی بہ فی الجاھلیہ ممالا یعقل معناہ فیجب اجتنابہ' لئلا یکون فیہ شرک اویؤدی الی الشرک۔

الثانی: ماکان بکلام اللہ اوباسمائہٖ فیجوز فان کان ماثوراً فیستحب۔

---

[1] والبسط فی الفتح ص۲۴۰ ج۱۰ باب الرقی بالقرآن، شرح مسلم نووی ص۲۱۹ ج۲

الثالث: ماکان باسماء غیر الله من ملک او صالح اومعظم من المخلوقات کالعرش، قال فهٰذا لیس من الواجب اجتنابه، ولا من المشروع الذی یتضمن الالتجاء الی الله والتبرک باسمائه فیکون ترکه اولیٰ [1]

فتح الباری وقرطبی کی مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر ہم یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے رقیے قسم دوم سے تھے قسم ثالث یا اول سے نہ تھے اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ممانعت کا تعلق نیز حدیث **سبعون الفاً... هم لایسترقون** الخ۔ کا تعلق بھی قسم اول یا قسم ثالث سے ہے، قسم ثانی سے نہیں واللہ اعلم۔

خلاف توکل، ممنوع اور ناجائز رقیے

البتہ ایسے رقیے جن کی حیثیت اس سے مختلف ہو جس کا ماقبل میں ذکر ہوا یعنی اغراض ومقاصد کے لحاظ سے یا وسائل وطرق کے لحاظ سے یا دیگر اعتبار سے کبھی تو وہ خلاف افضل اور توکل کے منافی ہوں گے اور کبھی مکروہ وناجائز اور کبھی حرام وشرک بھی ہوں گے جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے، (جو شراح حدیث اور فقہاء کے کلام سے سمجھ میں آتی ہے)

(۱) ایسا رقیہ خواہ اس میں جواز کی شرطیں بھی پائی جاتی ہوں (جو ماقبل میں گذر چکی ہیں) لیکن خود اس رقیہ میں یا رقیہ کرنے والے کے ذہن میں اللہ تعالیٰ سے دعاء واستعانت اور اسی سے استمداد کا رجحان واستحضار نہ ہو اگر چہ عقیدہ بھی صحیح ہو کہ کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ پر توکل اور اسی سے دعاء اور استعانت کا تصور واستحضار نہ ہو بلکہ مثل دیگر اسباب طبعیہ وطبّیہ کے اس کو اختیار کیا جائے اس نوع کے تمام رقیے بیشک خلاف افضل اور توکل کے منافی ہوں گے گو، جائز بھی ہوں۔

[1] فتح الباری شرح بخاری ص۲۴۱ ج۱۰

(۲) ایسے رقیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ماثور رہوں یا ماثور تو نہ ہوں لیکن جواز کی شرطیں پائی جائیں اور حسن نیت سے یعنی دوسروں کو نفع پہنچانے کی نیت سے کئے جائیں تو ایسے رقیے بھی مستحب ہیں **لقول النبی صلی الله علیه وسلم من استطا ع منکم ان ینفع اخاه فلینفعه**'(مسلم)

(۳) ایسے رقیے جو فی نفسہٖ جائز اور مشروع ہوں لیکن فاسد نیت سے کئے جائیں مثلاً کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے ،تفریق بین الزوجین کے لئے وغیرہ، ایسے رقیے فساد نیت کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہیں۔

ایسے ہی وہ رقیے اور عملیات بھی ناجائز حرام ہیں جن میں مکر وفریب اور جھوٹ سے کام لیا جائے یا کسی حرام کا ارتکاب کیا جائے جیسا کہ آج کل کثرت سے عاملین اس میں مبتلا ہیں، مثلاً حقیقت سمجھ میں نہ آنے اور یقین نہ ہونے کے باوجود مریض سے یہ کہہ دینا کہ تم پر آسیب یا جادو کا اثر ہے یا خون وغیرہ سے تعویذ لکھنا یا کسی گندی اور ناپاک چیز کا استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) ایسے رقیے جن کے معنی معلوم نہ ہوں احتمال شرک کی بناء پر مکروہ وممنوع ہیں۔

(۵) اور ایسے رقیے جس میں یقینی طور پر غیر اللہ سے استمد اد واستعانت ہو یا کلمات کفریہ واقوال شرکیہ پر مشتمل ہوں، یا زمانہ جاہلیت کے طرح تاثیر ذاتی کے عقیدہ کے ساتھ ہوں ایسے رقیے کفر وشرک اور قطعی حرام ہیں، اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں اور ایسے ہی رقیوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الرقی والتمائم، والتوله شرک ،من علق تمیمة فقد اشرک وغیر ذالک(ابوداؤد شریف)

کہ رقیہ اور تمیمہ اور تولہ (شوہر کو مسخر کرنے کا جادو) شرک ہے، جس نے تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

قال الشوکانی فی نیل الاوطاریجعل ھٰذہ الثلاثۃ من الشرک لاعتقادھم ان ذالک یوثر بنفسہٖ ۱؎

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں ان تین باتوں کو شرک اس واسطہ کہا گیا ہے کہ مشرکین مکہ ان میں تاثیر ذاتی کا عقیدہ رکھتے تھے یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر بھی ان کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے۔

قال القاری فی شرح المشکوٰۃ المراد من التمیمۃ ماکان من تمائم الجاھلیۃ ورقاھا ،فان القسم الذی یختص باسماء اللہ تعالیٰ وکلماتہٖ غیر داخل فی جملتہٖ بل ھو مستحب مرجو البرکۃ عرف ذالک من اصل السنۃ ۲؎

یعنی حدیثوں میں جس رقیہ اور تمیمہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد زمانۂ جاہلیت کے تمیمے اور رقیے ہیں، باقی جو رقیے وتمیمے اللہ کے کلام اور اس کے اسماء سے ہوں وہ اس میں داخل ہی نہیں، بلکہ وہ تو مستحب ہیں، ان سے برکت کی توقع ہے، یہ بات تو اصل سنت سے ثابت ہے۔

الغرض وہی رقیہ اور تمیمہ شرک ہے جو اقوال کفریہ پر مشتمل یا فاسد عقیدہ کے ساتھ ہو، ورنہ نفس رقیہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، نہ صرف ثابت بلکہ آپ کے یومیہ معمول میں شامل تھا، حضرت امام بخاریؒ نے تو ایک باب ہی منعقد کیا ہے ''باب رقیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم '' اور نیز صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیق تمیمہ (تعویذ کا لٹکانا) بھی ثابت ہے، (جیسا کہ ماقبل میں گذرا) اور کسی صحابی کا عمل بدعت یا شرک نہیں ہوسکتا، اس لئے ہر رقیہ اور تمیمہ کو نہ شرک کہا جا سکتا ہے، نہ خلاف افضل اور نہ ہی توکل کے منافی، بلکہ اغراض ومقاصد اور طرق ووسائل کے لحاظ

۱؎ نیل الاوطار ص ۱۷۷ ج ۸ ۲؎ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۷۵ ج ۸

سے اس میں وہ تفصیل ہوگی جو ماقبل میں مذکور ہوئی۔

اس لئے یہ اعتراض صحیح نہیں کہ رقیہ تو اسباب وہمیہ میں سے ہے جس کا ترک افضل ہے اور جس کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہے تو پھر صحابہ نے اس کو کیوں اختیار کیا۔

تنبیہ: رقیہ اور تمیمۃ کے تعلق سے یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی، باقی آج کل بہت سے عاملین نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ عملیات وتعویذات کے میدان میں نہ معلوم وہ کتنے محرمات اور خلاف شرع امور کے مرتکب ہوتے ہیں، کوئی صریح جھوٹ بولتا اور مکر وفریب کرتا ہے مثلاً یہ کہ تم پر آسیب اور جادو کا اثر ہے، کوئی غیب کی باتیں تک بتلاتا، اور لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیتا ہے، اللہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر ساری توجہ اسی طرف مرکوز کر دیتا ہے، بے پردگی بے حیائی کا بھی مرتکب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، ان میں بعض امور تو کفر وشرک تک پہنچ جاتے ہیں، مثلاً غیب کی باتیں بتلانے والا، حدیث پاک میں آیا ہے کہ عرّاف اور کاہن یعنی غیب کی باتیں بتانے والے شخص کے پاس جانے والے اور اس سے اس نوع کی باتیں پوچھنے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور حدیث پاک میں ایسی اجرت کو حلوان کاہن قرار دے کر حرام کہا گیا ہے، اس کے علاوہ بعض امور قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہوتے ہیں، عاملین حضرات پر واجب ہے کہ شرعی احکام معلوم کر کے تمام قسم کے منکرات ومحرمات سے پرہیز کریں اور امت کو جائز رقیہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل احقر نے اپنے رسالہ ''رقیہ اور تعویذ کتاب وسنت کی روشنی میں'' میں کی ہے، شائقین حضرات اس سے مستفید ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ جلد اس کی طباعت کا انتظام فرمادے۔ (محمد زید مظاہری ندوی، استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اسباب واعمال اور تدبیر وتوکل کا شرعی درجہ

اور

دعوت وتبلیغ سے متعلق چند ضروری اصلاحات

افادات
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

﴿انتخاب وترتیب﴾

محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

باب ا

دعاء واسباب اور تدبیر سے متعلق اسلام کی واضح تعلیمات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ دعا واسباب کے تعلق سے پوری امت کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(اے لوگو! تم کو) جس چیز کی ضرورت ہو خواہ وہ دنیا کا کام ہو یا دین کا اور خواہ اس میں اپنی بھی کوشش کرنا پڑے، اور خواہ اپنی کوشش اور قابو سے باہر ہو سب خدا تعالیٰ سے مانگا کرے، لیکن اتنا خیال ضروری ہے کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو، اس میں سب باتیں آ گئیں، جیسے کوئی کھیتی یا سوداگری کرتا ہے تو محنت اور سامان بھی کرنا چاہئے مگر خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس میں برکت فرما اور نقصان سے بچا، یا کوئی دشمن ستاوے، خواہ دنیا کا دشمن خواہ دین کا دشمن، تو اس سے بچنے کی تدبیر بھی کرنا چاہئے خواہ وہ تدبیر اپنے قابو کی ہو، خواہ حاکم سے مدد لینا پڑے مگر اس تدبیر کے ساتھ خدا تعالیٰ سے بھی دعا مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس دشمن کو زیر کر دے۔

یا مثلاً کوئی بیمار ہو تو دوا دارو بھی کرنا چاہئے مگر خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس بیماری کو کھول دے، یا اپنے پاس کچھ مال ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی کرنا چاہئے، جیسے مضبوط مکان میں مضبوط قفل (تالا) لگا کر رکھنا یا گھر والوں کے یا نوکروں کے ذریعہ سے اس کا پہرہ دینا، دیکھ بھال رکھنا، مگر اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا بھی مانگنا چاہئے کہ اے اللہ اس کو چوروں سے محفوظ رکھ۔

یا مثلاً کوئی مقدمہ کررکھا ہے یا اس پر کسی نے کررکھا ہے تو اس کی پیروی بھی کرنا چاہیئے، وکیل اور گواہوں کا انتظام بھی کرنا چاہیئے، مگر اس کے ساتھ خدا تعالیٰ سے دعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ اس مقدمہ میں مجھ کو فتح دے اور ظالم کے شر سے مجھ کو بچا، یا قرآن اور علم دین حاصل کررہا ہے تو اس میں جی لگا کر پابندی سے محنت بھی کرنا چاہیئے، مگر اس کے ساتھ دعا بھی کرنا چاہیئے کہ اے اللہ اس کو آسان کردے اور میرے ذہن میں اس کو جمادے، یا نماز وروزہ وغیرہ شروع کیا ہے یا بزرگوں کے بتلانے سے اور عبادتوں میں لگ گیا ہو تو سستی اور نفس کے حیلہ بہانہ کا مقابلہ کرکے ہمت کے ساتھ اس کو نباہنا چاہیئے مگر دعا بھی کرتا رہے کہ اے اللہ میری مدد کر اور مجھ کو اس کی ہمیشہ توفیق دے، اور اس کو قبول فرما۔

یہ نمونہ کے طور پر چند مثالیں لکھ دی ہیں، ہر کام اور ہر مصیبت میں اسی طرح جو اپنے کرنے کی تدبیر ہے وہ بھی کرے اور سب تدبیروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب عاجزی اور توجہ کے ساتھ عرض بھی کرتا رہے۔

اور جس کام میں تدبیر کا کچھ دخل نہیں اس میں تو تمام کوشش دعا ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے، جیسے بارش کا ہونا یا اولاد کا زندہ رہنا یا کسی بیماری کا علاج بیماری سے اچھا ہوجانا یا نفس وشیطان کا نہ بہکانا، یا وبا اور طاعون سے محفوظ رہنا یا قابو یافتہ ظالموں کے شر سے بچنا، اسی طرح حکومت کے مظالم سے بچنا۔

ان کاموں کا بنانے والا تو بجز خدا تعالیٰ کے کوئی برائے نام بھی نہیں اس لئے تدبیر کے کاموں میں جتنا حصہ تدبیر کا ہے ان بے تدبیر کے کاموں میں وہ حصہ تدبیر کا بھی دعاء ہی میں خرچ کرنا چاہیئے غرض تدبیر کے کاموں میں تو کچھ تدبیر اور کچھ دعا ہے اور بے تدبیر کے کاموں میں تدبیر کی جگہ بھی دعا ہی ہے۔[1]

[1] حیات المسلمین روح ششم ص ۴۹

اسباب کی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اسباب مؤثر حقیقی نہیں

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ (الفیل آیت نمبر ۳)

(ترجمہ) اوران پر غول کے غول پرندے بھیجے

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ متصرف (حقیقی تصرف کرنے والا) حق تعالیٰ ہے، اسباب مؤثر حقیقی نہیں ہے [1]

اسباب کا ثبوت اور اس بات کا ثبوت کہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ (طٰہٰ آیت نمبر ۵۴)

(ترجمہ) پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے (یعنی پانی کے ذریعہ سے) اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے۔

فائدہ: اس آیت میں اسباب کا ثبوت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ مؤثر حقیقی حق تعالیٰ ہے، چنانچہ فَاَخْرَجْنَا کہا گیا [1]

مسبب الاسباب اور مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اسباب کا اختیار کرنا حکمتوں سے خالی نہیں

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ (الانفال آیت نمبر ۱۰)

---

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۵۳۵ [2] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۳۴۰

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی تا کہ بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

(فائدہ) یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہیں۔!

دعاء کی برکت سے منجانب اللہ اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ط (الانبیاء آیت نمبر ۱۸)

(ترجمہ) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ان کی خاطر سے ان کی بی بی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

(فائدہ) روح المعانی میں ایک تفسیر اَصْلَحْنَا کی یہ نقل کی ہے کہ ان کی بی بی کی جوانی لوٹا دی، اس بناء پر اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو چیزیں عادۃً اسباب کی طرف مستند ہیں ان میں استجابت دعا (یعنی دعا کی قبولیت) کے متعلق اکثر عادت الٰہیہ یہ ہے کہ اس کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں گو وہ اسباب کے بغیر بھی تکوین پر قادر ہیں۔[۲]

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط (الانعام آیت نمبر ۹۷)

(ترجمہ) اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا تا کہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کر سکو۔

(فائدہ) اس میں اسباب کا اثبات ہے اور ان سے منتفع ہونے (فائدہ اٹھانے) کی مشروعیت (اور اس کے جواز) پر دلالت ہے اور یہ علی الاطلاق توکل کے منافی نہیں۔[۳]

[۱] بیان القرآن، مسائل ص ۲۱۵ [۲] مسائل السلوک ص ۳۵۴ [۳] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۱۷۹

ناجائز اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے

وَنَادٰی نُوحُ نِ ابْنَہٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلاَ تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ o قَالَ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ط قَالَ لاَ عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلاَّ مَنْ رَّحِمَ ج (ہودآیت نمبر۴۳)

(ترجمہ) اورنوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارااور وہ علیحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے میرے ساتھ سوار ہوجااور کافروں کے ساتھ مت ہو، وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لوں گا جو مجھ کو پانی سے بچالے گا، نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والانہیں لیکن جس پر وہی رحم کرے۔

(فائدہ) اس میں دلیل ہے اس پر کہ اسباب ماذون فیھا کی مباشرت (یعنی جائزاسباب کا اختیار کرنا) توکل کے منافی نہیں جیسے کشتی نوح میں سوارہونا۔

البتہ اسباب غیر ماذون فیہا کی مباشرت (یعنی ناجائز اسباب کا اختیار کرنا) منافی توکل ہے جیسے کنعان کا پہاڑ کی پناہ لینا۔[1]

اسباب اختیار کرنے کے باوجود پورااعتماداوریقین حق تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیئے

وَمَامِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَاط (ہودآیت نمبر۷)

(ترجمہ) اورکوئی جاندارروئے زمین پر چلنے والا ایسانہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔

(فائدہ) اس میں ترغیب عظیم ہے توکل فی الرزق کی، (یعنی اس بات کی کہ رزق کے سلسلہ میں اللہ پرتوکل کیاجائے)

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۲۶۱

اور روح میں ہے کہ اگر اسباب کو اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کرے کہ اللہ تعالیٰ مسبِّب ہے اور یہ اعتقاد نہ ہو کہ بغیر اسباب کے رزق حاصل نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ وثوق اور ربط قلب حق تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے [1]

جائز تدبیر اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں

یعقوب علیہ السلام کا عمل

قَالَ لَنْ اُرْسِلَه، مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا (یوسف آیت نمبر ۶۶)

(یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا کہ اس وقت تک ہرگز اس کو تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے۔

(فائدہ) اس میں دلالت ہے کہ تدبیر ماذون فیہ (یعنی جائز تدبیر اختیار کرنا) توکل کے منافی نہیں [2]

مصیبتوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اسباب کے درجہ میں مخلوق سے مدد چاہنے میں کوئی حرج نہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل

وَقَالَ الَّذِیْ ظَنَّ اَنَّه، نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ○ (یوسف آیت نمبر ۴۲)

(ترجمہ) اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اس سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا۔

(فائدہ) اس میں دلالت ہے کہ اگر ازالۂ شدائد (یعنی مصیبتوں کے دور

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۲۵۵ [2] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۲۷۵

کرنے) کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرے (اور مدد چاہے) خصوصاً ایسے شخص سے جس پر احسان کیا ہو کچھ حرج نہیں، کیونکہ یہ اسباب مشروعہ میں سے ہے اور اس کو احسان کا عوض چاہنا نہ کہا جائے گا، احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارہ ہوتی ہے۔[1]

کامل بندوں سے اسباب اختیار کرنے کا ثبوت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمل

اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى○

(طٰہٰ آیت نمبر۱۸)

(ترجمہ) میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام ہیں۔

فائدہ: اس سے کاملین (اور انبیاء علیہم السلام) کا اسباب کے ساتھ تمسک کرنے (اور اس سے نفع اٹھانے) کا اثبات ہوتا ہے۔

وَاجْعَلْ لِّىْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِىْ○

(ترجمہ) میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کر دیجئے۔

فائدہ: اس سے وہی مسئلہ ثابت ہے جو اَتَوَكَّؤُا سے ثابت ہے۔ (یعنی اسباب اختیار کرنے کا ثبوت اور اس کا جواز)

رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ○ (طٰہٰ آیت نمبر۲۵)

ترجمہ: اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ دعا اور کمال توکل میں تنافی نہیں۔[2]

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص۲۷۲ [2] بیان القرآن، مسائل السلوک ص۳۳۶

تدبیر اختیار کرنے میں اعتدال کی تعلیم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

(۱)وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ○

(الشعراء آیت نمبر۵۲)

(ترجمہ) اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو شباشب (یعنی راتوں رات) نکال لے جاؤ تم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔

(۲)قَالَ کَلَّا ج اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ○

(الشعراء آیت نمبر۶۲)

(ترجمہ) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو بھی راستہ بتلائے گا۔

فائدہ: اس میں مسئلہ یہ ہے کہ تدبیر وترک تدبیر میں تعدیل چاہئے چنانچہ تدبیر تو یہ بتلائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شباشب (راتوں رات) چلے جاؤ۔

پھر جب انہوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا جس سے مقصود یہ تھا کہ کچھ تدبیر کی جائے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ فرما کر یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہماری تدبیر کی ضرورت نہیں اور عارف کی یہی شان ہوتی ہے کہ اسباب سے توسط (یعنی اعتدال) کے ساتھ تمسک کرتا ہے مگر اس میں مبالغہ نہیں کرتا۔[۱]

---

[۱] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۳۹۵

اسباب عادیہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

حضرت داؤد علیہ السلام کا عمل

وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ (الانبیاء آیت نمبر۷۹)

اور ہم نے ان کو (یعنی داؤد علیہ السلام کو) زرہ کی صنعت تم لوگوں کے واسطے سکھائی۔

(فائدہ) اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں، ایک یہ کہ دستکاری سے معاش حاصل کرنا اور دوسرے یہ کہ اسباب عادیہ کا استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں۔[1]

مخلوق اور اشیاء پر نظر کرنا اور ان کی طرف نسبت کرنا توحید کے منافی نہیں

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ج

(النمل آیت نمبر۶۰)

یا وہ ذات ہے جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور اس نے آسمان سے پانی برسایا۔

(فائدہ) اس میں اس پر دلالت ہے کہ مخلوق میں نظر کرنا جب کہ وصول الی الحق کے لئے ہو، مطلوب ہے اور توحید کے منافی نہیں البتہ منافی (اور توکل کے خلاف) وہ نظر ہے جو مقصود ہو، اسی طرح اس کے بعد قریب کی آیت قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ اس پر دال ہے۔[2]

---

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص۳۵۱ [2] بیان القرآن، مسائل السلوک ص۴۰۹

سببیت کی ایسی نسبت تو اسباب کی طرف ہے خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اَنْـزَلَ مِـنَ السَّـمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے۔[1]

سفر میں زادِ راہ لینا توکل کے منافی نہیں

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا ۝

(الکہف آیت نمبر ۶۱)

(ترجمہ) پس جب دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر پہنچے اس اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے۔

فائدہ: یہ آیت دال ہے اس پر کہ زادراہ کا (یعنی سفر کا توشہ اور کھانے پینے کا نظم) جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔[2]

اسباب اختیار کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر تقویٰ کا حاصل ہونا مشکل ہے

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ آیت نمبر ۱۹۷)

(ترجمہ) اور خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری سے) بچا رہنا ہے۔

فائدہ: اس میں ضعفاء کے لئے اسباب کی حکمت کا بیان ہے۔

وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۷)

(ترجمہ) اور اے ذی عقل لوگو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

[1] کلمۃ الحق ص ۱۶۳ [2] مسائل السلوک ص ۳۲۳

فائدہ: یہ امر بالزاد (سفرخرچ اور توشہ) کے لئے مثل مقدمہ ثانیہ کے ہے اور تقریر مطلوب کی یہ ہے کہ زاد (سفرخرچ اور توشہ لینا) تقویٰ کا سبب ہے اور تقویٰ واجب ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ زاد سبب ہے واجب کا پس وہ بھی واجب ہے، اور یہ اس پر موقوف ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے۔

(یعنی جب اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے لہٰذا واجب کی ادائیگی جن اسباب پر موقوف ہوگی ان اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہوگا جیسے وضو کرنا واجب ہے اگر وضو کرنا ہینڈ پائپ چلانے ہی پر موقوف ہو تو ایسی صورت میں ادائے واجب کے لئے ہینڈ پائپ چلا کر پانی نکالنا بھی واجب ہوگا ،اسی طرح جب تقویٰ حاصل کرنا واجب ہے اور وہ موقوف ہے زادراہ کے یعنی توشہ لینے کا سبب اختیار کرنے پر تو یہ سبب اختیار کرنا بھی واجب ہوگا، خلاصہ یہ کہ اسباب کے درجہ میں سفرخرچ اور توشہ لینا واجب ہے، اسی طرح دوسرے اسباب کو بھی سمجھ لینا چاہئے واللہ اعلم) مرتب

اور یہ تصوف کے مسائل کثیرہ کی اصل ہے جن کی طرف اہل ظاہر کی نظر اس لئے نہیں گئی کہ ان کی نظیر دقیق نہیں ہے [1]

سیاسی تدابیر اختیار کرنا بھی کمال باطنی اور توکل کے منافی نہیں

امت محمدیہ کو اسباب اختیار کرنے کا صریح حکم

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ. (الانفال آیت نمبر ۵۷ تا ۶۰)

[1] بیان القرآن مسائل السلوک ص ۷۸

(ترجمہ) اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ سیاسی تدابیر کمال باطنی (اور کمال توحید وتوکل) کے منافی نہیں جیسا بعض غلو کرنے والے اہل رہبانیت خیال کرتے ہیں۔[1]

فائدہ: اس میں قوت کی حفاظت کا صاف حکم ہے۔

مسلم میں عقبہ بن عامر کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر تیراندازی کے ساتھ منقول ہے اور اس کو قوت اس لئے فرمایا کہ اس سے دین اور دل میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور اس میں دوڑنا بھاگنا جو پڑتا ہے تو بدن میں بھی مضبوطی ہوتی ہے اور یہ اس زمانہ کا ہتھیار تھا اس زمانہ میں جو ہتھیار ہیں وہ تیر کے حکم میں ہیں۔[2]

خطرات کے موقع پر حفاظت کا سامان رکھنے کی ضرورت

عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہے۔[3]

فائدہ: یہ اس وقت تھا جب کہ اکے دکے کو دشمن کا خطرہ تھا، اس سے ثابت ہوا کہ اپنی حفاظت کا سامان ضروری ہے۔

ابوالسائب حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک اجازت لینے والے سے) فرمایا کہ اپنا ہتھیار ساتھ لے لو مجھ کو بنی قریظہ سے (جو کہ یہودی اور دشمن تھے) اندیشہ ہے چنانچہ اس شخص نے ہتھیار لے لیا اور گھر کو چلا گیا۔[4]

---

[1] مسائل السلوک ص ۲۲۱ [2] حیٰوۃ المسلمین روح دہم ص ۹۰ [3] مالک وترمذی وابوداؤد ونسائی [4] مسلم شریف

فائدہ: جس موقع پر دشمنوں سے ایسا اندیشہ ہو اپنی حفاظت کے لئے جائز ہتھیار اپنے ساتھ رکھنے کا اس سے ثبوت ہوتا ہے۔

ابو ثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ لوگ جب کسی منزل میں اترے تو گھاٹیوں میں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارا گھاٹیوں اور نشیب میدانوں میں متفرق ہو جانا یہ شیطان کی طرف سے ہے (اس لے کہ اگر کسی پر آفت آوے تو دوسروں کو خبر بھی نہ ہو) سو اس کے بعد جس منزل پر اترتے ایک دوسرے سے اس طرح مل جاتے کہ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اگر ان سب پر ایک کپڑا بچھا دیا جائے تو سب پر آ جائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس سے بھی اپنی احتیاط اور حفاظت کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔[1]

اسباب فتنہ سے بچنا مطلوب ہے

رَبَّنَا لاَ تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا ۚ (الممتحنۃ آیت نمبر ۵)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے رب! ہمارے گناہ معاف کر دیجئے۔

یہ عنوان اس پر دال ہے کہ ایسے اسباب فتنہ سے بچنا مطلوب ہے جس سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو یا بالعکس۔

اور ان اسباب میں جو غیر اختیاری ہیں ان سے بچنا یہ ہے کہ دعا کریں۔[2]

[1] حیٰوۃ المسلمین روح دہم ص ۹۷ [2] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۵۰۷

اسباب بعیدہ جو موجب فتن ہوں ان سے بچنا بھی ضروری ہے

فَلاَ تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِى فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلاً مَّعۡرُوۡفًا۞ (الاحزاب آیت نمبر ۳۲)

(ترجمہ) (اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو) تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو۔

فائدہ: اس میں اسباب فتنہ سے بچنے کا ارشاد ہے اگر چہ اسباب بعیدہ ہی ہوں خصوصاً عورتوں سے کہ ان کا قصہ بڑا سخت ہے۔[1]

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۴۴۳

فصل

اسباب صحت ومرض احادیث مبارکہ کی روشنی میں

متعدی امراض اور تکلیف دہ اسباب سے پرہیز کرنا شرعاً مطلوب ہے

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

۔۔۔۔۔بلاضرورت خطرۂ ہلاکت میں کیوں پڑے گو وہ یقینی نہ ہو مگر ہلاکت کے اسباب مثل تناول سم (زہر اور مہلک چیز کا کھانا اور استعمال کرنا) وغیرہ کا ارتکاب بھی تو قصداً بلاضرورت نقلاً وعقلاً ممنوع ہے گو اس سے کبھی بچ بھی جاتا ہے۔[1]

جن بیماریوں سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے جو شخص ان امراض مبتلا ہو اس کے لئے بہتر ہے کہ لوگوں سے علیحدہ رہے تاکہ ان کو تکلیف وایذا نہ پہنچے۔

کان فی وفد بنی ثقیف رجل مجذوم فارسل الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انّا قدبایعناک فارجع۔[2]

فائدہ: قبیلہ بنی ثقیف کا ایک شخص جو جذام کے مرض (کوڑھ) میں مبتلا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی غرض سے آنا چاہتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مردوں کو ہاتھ لے کر بیعت کرنے کا تھا، اس شخص کے آنے سے لوگوں کی تکلیف وناگواری اور مرض کے متعدی ہونے کا اندیشہ تھا لہٰذا آپ نے اس جذامی شخص کو یہ پیغام کہلا بھیجا کہ تم یہاں مت آؤ واپس جاؤ، ہم نے تم کو زبانی یعنی اپنے قول سے بیعت کرلیا)

[1] امداد الفتاویٰ ص ۲۸۸ ج ۴ [2] مسلم شریف) (تعلیم الدین ص ۱۱۶

اسباب کے درجہ میں امراض بھی متعدی ہوتے ہیں

''حدیث لاعدویٰ میں'' مطلق عدویٰ کی (یعنی امراض کے متعدی ہونے کی) نفی مقصود نہیں بلکہ اس عدویٰ کی نفی مقصود ہے جس کے قائل اہل جاہلیت تھے، اور جس کے معتقدینِ سائنس اب بھی قائل ہیں یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں، تخلّف کبھی ہوتا ہی نہیں (یعنی وہ تاثیر ذاتی کے قائل ہوتے ہیں کہ اللہ کے مشیت کے بغیر بھی امراض متعدی ہوسکتے ہیں) سو حدیث پاک میں اس کی نفی فرمائی گئی ہے۔۔۔۔۔اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اس کو مؤثر مان لیا جائے۔۔۔اس طرح عدویٰ کے قائل ہونے میں (یعنی اسباب کے درجہ میں امراض کے متعدی ہوجانے کے قائل ہونے میں) کچھ حرج نہیں، اقرب الی التحقیق مجھ کو یہی مسلک معلوم ہوتا ہے[1] ☆

صحت وتندرستی کی اہمیت ومطلوبیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نعمتوں کے شمار میں ارشاد فرمایا:

(وَاِذَامَرِضْتُ فَهُوَيَشْفِيْن) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔[3]

فائدہ: اس سے صحت کا مطلوب ہونا صاف معلوم ہوتا ہے۔

عبداللہ بن عمر بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۲۸۷ ج ۴

☆ونفی العدویٰ لابمعنیٰ نفی اصلها لكن العرب يظنونها سبباً مستقلاً وينسون التوكل رأساً....والأحاديث متظاهرة علىٰ ثبوت اصل العدویٰ فلا تشكن أن النهي ليس معتمداً علی عدمها فی الخارج۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۵ ج ۲ مختصراً

[3] شعراء پ ۱۹ آیت ۸۰

(شب بیداری اور نفل روزہ میں زیادتی کی ممانعت میں) فرمایا کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ زیادہ محنت کرنے سے اور زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہوجائے گی اور آنکھیں آشوب کر آئیں گی۔[1]

حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زیادہ آرام طلبی سے منع فرماتے تھے اور ہم کو حکم دیتے تھے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی چلا کریں۔ (ابوداؤد)

ابن ابی حدردؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تنگی سے گذر کرو اور موٹا چلن رکھو (یعنی سادگی سے گذر بسر کرو) اور ننگے پاؤں (بھی کبھی کبھی) چلا کرو۔ (جمع الفوائد از کبیر واوسط)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ پیدل چلنے کی بھی اور ننگے پاؤں چلنے کی بھی عادت رکھے، زیادہ آرام طلب نہ ہو، اس میں کئی مصلحتیں ہیں، مضبوطی وجفاکشی وآزادی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوت والا مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قوت والے مومن سے بہتر اور زیادہ پیارا ہے، اور یوں سب میں خوبی ہے۔ الخ (مسلم)

فائدہ: جب قوت اللہ کے نزدیک ایسی پیاری چیز ہے تو اس کو باقی رکھنا اور بڑھانا اور جو چیزیں قوت کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ہوگا، اس میں غذا کا بہت کم کردینا، نیند کا بہت کم کردینا، ہم بستری میں حد قوت سے آگے زیادتی کرنا، ایسی چیز کھانا جس سے بیماری ہوجائے یا بدپرہیزی کرنا جس سے بیماری بڑھ جائے یا جلدی نہ جائے یہ سب داخل ہوگیا ان سے بچنا چاہئے۔

[1] حیوۃ المسلمین ص ۹۱

اسی طرح قوت بڑھانے میں ورزش کرنا، دوڑنا، پیادہ چلنے کی عادت کرنا، جن اسلحہ کی قانون سے اجازت ہے یا اجازت حاصل ہوسکتی ہے ان کی مشق کرنا یہ سب داخل ہے مگر حد شرع وحدِ قانون سے باہر نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے جمعیت وراحت جوکہ شرعاً مطلوب ہے برباد ہوتی ہے۔

عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تیراندازی بھی کیا کرو اور سواری بھی کیا کرو۔ (ترمذی وابن ماجہ وابوداؤد ودارمی)

فائدہ: سواری سیکھنا بھی ایک ورزش ہے جس سے قوت بڑھتی ہے۔[1]

علاج کی اہمیت اور بدپرہیزی کی ممانعت

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا دونوں چیزیں اتاریں اور ہر بیماری کے لئے دوا بھی بنائی، سوتم دوا کیا کرو اور حرام چیز سے دوامت کرو۔ (ابوداؤد)

فائدہ: اس میں صاف حکم ہے تحصیل صحت کا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس (غذا حاصل کرنے) آتی ہیں، سو اگر معدہ درست ہوتو وہ رگیں صحت لے کر جاتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہوا تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں۔ (شعب الایمان وبیہقی)

فائدہ: اس میں معدہ کی خاص رعایت کا ارشاد ہے۔

ام منذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) حضرت علیؓ سے فرمایا یہ (کھجور) مت کھاؤ، تم کونقاہت ہے پھر میں نے چقندر اور جَو تیار کیا آپ نے فرمایا اے علی اس میں سے لو یہ تمہارے موافق ہے۔[2]

[1] حیٰوۃ المسلمین روح دہم ص ۹۴ [2] احمد وترمذی وابن ماجہ

فائدہ: اس حدیث سے بد پرہیزی کی ممانعت معلوم ہوئی کہ مضرِ صحت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بھوک سے وہ بھوک برا ہم خواب ہے۔[1]

فائدہ: مرقاۃ میں طیبی سے پناہ مانگنے کا سبب نقل کیا ہے کہ اس سے قویٰ ضعیف ہوجاتے ہیں اور دماغ پریشان ہوجاتا ہے۔

اس سے صحت وقوت وجمعیت کا مطلوب ہونا ثابت ہوا، کیونکہ زیادہ بھوک سے یہ سب فوت ہوجاتے ہیں اور بھوک کی جو فضیلت آئی ہے وہ ایسی ہے جیسے بیماری کی فضیلت آئی ہے، اس سے بھوک اور بیماری کا مطلوب التحصیل ہونا لازم نہیں آتا۔ (یعنی اگر غیر اختیاری طور پر یہ چیز حاصل ہوجائے تو اس کی فضیلت ہے)[2]

فائدہ: دوادار و کرنے کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے۔

حتی الامکان معدہ کی اصلاح وحفاظت کا اہتمام کرو، تمام بدن درست رہتا ہے، اور اگر معدے میں بگاڑ ہو تو تمام بدن میں بیماری ہوجاتی ہے۔[3]

[1] ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ [2] حیٰوۃ المسلمین روح دہم ص ۹۳ [3] تعلیم الدین ص ۹۱

فصل

تدبیر اور ترکِ تدبیر احادیث مبارکہ کی روشنی میں

ترکِ تدبیر تقویٰ وتوکل نہیں بلکہ کم ہمتی اور بزدلی ہے

(توکل کا) یہ مطلب نہیں کہ تقدیر کا بہانہ کر کے شریعت کے موافق ضروری تدبیر کو بھی چھوڑ دے بلکہ یہ شخص تو کمزور تدبیر کو بھی نہ چھوڑے گا اور اس میں بھی امید رکھے گا کہ خدا تعالیٰ اس میں بھی اثر دے سکتا ہے، اس لئے کبھی ہمت نہ ہارے گا، جیسے بعض لوگوں کو یہ غلطی ہو جاتی ہے، او دین تو بڑی چیز ہے دنیا کے ضروری کاموں میں بھی ایسی کم ہمتی کی برائی (مذمت) حدیث میں آئی ہے۔

چنانچہ عوف بن مالک نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمایا، تو ہارنے والا کہنے لگا **حسبی اللہ ونعم الوکیل** (مطلب یہ کہ خدا کی مرضی میری قسمت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو ناپسند فرماتا ہے لیکن ہوشیاری سے کام لو (یعنی کوشش وتدبیر میں کم ہمتی مت کرو) پھر جب کوئی کام تمہارے قابو سے باہر ہو جائے تب کہو **حسبی اللہ ونعم الوکیل** (یعنی خدا کی مرضی میری قسمت) (ابوداؤد) [1]

توکل کے ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا حکم

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَاعَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ۔ (آل عمران پ۴)

[1] حیات المسلمین روح پنجم ص ۳۹

ترجمہ: اور ان سے مشورہ لیجئے (پھر مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کرلیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجئے، اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔

فائدہ: اس سے بڑھ کر کیا دولت ہوگی کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہے جس شخص سے خدا تعالیٰ کو محبت ہو اس کی فلاح میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توکل کے ساتھ تدبیر کا بھی حکم ہے، کیونکہ مشورہ تو تدبیر ہی کے لئے ہوتا ہے، البتہ تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ تدبیر کر کے بھی بھروسہ خدا ہی پر ہونا چاہئے۔[1]

تدبیر اختیار کرو مگر بھروسہ اللہ ہی پر رکھو

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ اونٹ کو باندھ کر توکل کر۔

فائدہ: یعنی توکل میں تدبیر کی مانعت نہیں ہاتھ سے تدبیر کرے، دل سے اللہ پر توکل کرے اور اس تدبیر پر بھروسہ نہ کرے۔ (یہ ہے حقیقی توکل)[2]

اللہ پر بھروسہ کرنے کا اثر اور اس کا فائدہ

توکل کا اثر یہ ہے کہ اگر کوئی ناگواری بھی پیش آوے تو اس سے بھی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ اس کو بھی بہتری ہی سمجھتے ہیں، اگر دنیا میں بھی اس کا ظہور نہ ہو تو آخرت میں ضرور ہوگا جو ہمارا اصلی گھر ہے اور وہی بھلائی ہمیشہ کام آنے والی ہے۔[3]

---

[1] حیات المسلمین روح پنجم ص ۳۹ [2] حیات المسلمین روح پنجم ص ۴۶
[3] حیات المسلمین روح پنجم ص ۴۴

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مانگنے آیا آپ نے (اس کے گھر سے ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ پانی پینے کا منگا کر اور اس کو نیلام کر کے اس کی قیمت میں سے کچھ اناج اور کلہاڑی خرید کر اس کو دے کر) فرمایا کہ جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بیچو، پھر فرمایا کہ یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ مانگنے کا کام قیامت کے دن تمہارے چہرہ پر (ذلت کا) ایک داغ ہو کر ظاہر ہو (ابوداؤد، ابن ماجہ)

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حلال پیشہ کیسا ہی گھٹیا ہو، اگرچہ گھاس ہی کھودنا ہو مانگنے سے اچھا ہے[1]

دعاء کے ساتھ حتی الامکان اسباب سے قرب وتعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے

فرمایا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب (یعنی اللہ تعالیٰ) پر نظر نہ رہے، اعتدال اصل طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور یہ بدون تحصیلات تبحر علوم دین کے (یعنی علوم دینیہ میں مہارت کے بغیر) حاصل ہونا مشکل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل خرق عادت ظہور میں آتے ہیں (یعنی بظاہر کائناتی نظام کے خلاف ہوتے ہیں) ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے،

[1] حیات المسلمین روح نوزدہم ص۱۹۲

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے پر سے مت اتارنا پھر اس میں آ کر آب دہن (لعاب مبارک) ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔ (پورا قصہ مسلم شریف ص ۱۷۸ ج ۲ میں مذکور ہے)[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال بھر کے خرچ انتظام فرمالیا کرتے تھے اور امت کو بھی آپ نے مال روکنے کا مشورہ دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود بنی نضیر کے اموال (مراد وہ زمینیں ہیں جو بذریعہ فتح مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لئے مخصوص تھے آپ اس میں سے اپنی بیبیوں کا خرچ ایک سال کا دے دیتے تھے اور جو بچتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں یعنی جہاد کے سامان میں لگا دیتے۔ (بخاری)

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ یہ ہے کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اپنے کل مال کو اللہ و رسول کے نذر کر کے اس سے دست بردار ہو جاؤں گا، آپ نے فرمایا کچھ مال تھام لینا چاہئے یہ تمہارے لئے بہتر اور مصلحت ہے (اور وہ مصلحت یہی ہے کہ گذر کا سامان اپنے پاس ہونے سے پریشانی نہیں ہونے پاتی) میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ تھامے (اور روکے) لیتا ہوں جو خیبر میں مجھ کو ملا ہے۔ (ترمذی شریف)

فائدہ: پہلی حدیث سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بقدر ضرورت ذخیرہ رکھنا اور دوسری حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے مشورہ دینا ثابت ہوتا ہے۔[۲]

---

[۱] ملفوظات کمالات اشرفیہ ملفوظ نمبر ۴۴۱ ص ۱۰۳ [۲] حیات المسلمین روح نوزدہم ص ۱۹۳

فصل

توحید وتوکل کی حقیقت اور اس کے آثار وحدود

توحید کی ماہیت (اور حقیقت یہ ہے کہ) یہ یقین کر لینا کہ ارادۂ خداوندی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ وَمَاتَشَاءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاءُ اللّٰهَ رَبُّ الْعَالَمِیْن.

(سورۃ تکویر پ۳۰)

(ترجمہ) نہیں چاہتے ہو تم کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

قال الله تعالیٰ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران پ۴)

(ترجمہ) اور اللہ ہی پر چاہئے کہ توکل کریں ایمان والے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم واعلم ان الامة لواجتمعت علی ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الا بشیء قد کتب الله لک ،ولواجتمعو علی ان یضروک بشیء لم یضروک الاّ بشیء قد کتب الله علیک ،رواه احمد والترمذی.

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جان لو کہ اگر سب کے سب متفق ہوجائیں اس پر کہ تم کو کچھ نفع پہونچائیں گے تو ہرگز نفع نہ پہونچاسکیں گے مگر اسی چیز کا جس کو اللہ نے لکھ دیا ہے اور اگر سب کے سب متفق ہوجائیں کہ تم کو نقصان پہونچائیں گے ہرگز نقصان نہ پہونچاسکیں گے مگر اسی چیز کا جس کو اللہ نے لکھ دیا ہے۔

وقال رسول الله صلی الله علیه سلم اذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله رواه احمد والترمذی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو اللہ ہی سے مدد چاہو۔

فائدہ: توحید سے یہاں توحید افعالی مراد ہے۔

توحید کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مخلوق کے عجز (یعنی اس کی عاجزی اور بے کسی) اور خالق کی قدرت کو یاد کرے اور (بار بار) سوچا کرے۔

اور توکل کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: حق تعالیٰ کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ کامیابیوں کا یاد کرنا اور سوچنا۔[1]

توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا رکھوں اور توکل کروں؟ آپ نے فرمایا کہ باندھ کر توکل کرو (روایت کیا اس کو ترمذی نے)۔[2]

فائدہ: مطلق توکل کے لئے ترک تدبیر ضروری نہیں، حدیث اس میں صریح ہے، بلکہ بعض تدبیر کا تو سب کو ترک ناجائز ہے، اور بعض کا ضعیف کے لئے ناجائز ہے، حدیث کی دونوں طرح توجیہ ہوسکتی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔[3]

دعاء کے ساتھ تدبیر اور ظاہری اسباب اختیار کرنا ضروری ہے

شریعت کا یہ مقصد نہیں کہ تمام تدبیریں چھوڑ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ، اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ تدبیر بھی کی جائے اور دعاء بھی، یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر کے صرف دعاء ہی پر بھروسہ کیا جائے، دعاء کا حکم تو اس لئے ہے کہ تدبیر میں بغیر دعاء کے

[1] تعلیم الدین ص ۱۱۶ [2] حدیث نمبر ۲۵۱۷، ابواب صفۃ القیامۃ، باب، حدیث اعقلہا وتوکل، تیسیر الوصول الیٰ جامع الاصول مطبوعہ کلکتہ ص ۴۹۵ [3] التکشف ص ۴۰۴

برکت نہیں ہوتی یہ مقصود نہیں کہ صرف دعاء پر اکتفاء کیا جائے۔

دعاء کے متعلق لوگوں کو غلطی ہورہی ہے بعض لوگوں نے تو دعاء کو اختیار کرکے تدبیر کو چھوڑ دیا ہے اور بعض لوگ محض تدبیر کے پیچھے پڑ گئے اور دعاء کو بھول گئے۔

اور اگر دعاء کا یہی مطلب ہے جو تم سمجھتے ہو (کہ تدبیر بھی نہ کرو) تو پھر نکاح بھی نہ کرو اور کہہ دو کہ ہم کو پیر صاحب کی دعاء پر اعتماد ہے، اولاد کی تو ہمیں بڑی تمنا ہے مگر نکاح نہیں کریں گے، بس یوں ہی کسی طرح دعاء سے اولاد ہوجائے۔

دعاء کا مطلب تو یہ ہے کہ (ظاہری اسباب اور) جتنی تدبیریں (تم سے) ہوسکیں سب کرو، اور بھروسہ دعاء پر (یعنی اللہ ہی پر) کرو۔

البتہ جن کی کوئی تدبیر نہیں جیسے بارش وغیرہ ان کے لئے صرف دعاء کرنا جائز ہے اور جن کاموں میں تدبیر ہوسکتی ہے اس میں تدبیر اور دعاء دونوں ضروری ہے۔[1]

یقین کی برکت سے اللہ تعالیٰ بسا اوقات بلا تدبیر بھی دعاء قبول فرمالیتے ہیں

دعاء کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے (خواہ وہ کافر ہی کی دعاء کیوں نہ ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے) انا عند ظن عبدی بی، یعنی انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ جیسا گمان اور یقین کرلیتا ہے حق تعالیٰ اسی طرح پورا فرمادیتے ہیں، بت پرستوں تک کی دعاء قبول ہوتی ہے کیوں کہ ان کو بھی خدا تعالیٰ سے یہی گمان ہوتا ہے (کہ وہ ہماری دعاء قبول کرے گا) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کرتے، ایک بت پرست نے کہا تھا کہ عبادت تو ہم خدا کی کرتے ہیں، مگر خیال متوجہ

[1] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۳۲۷ تسہیل المواعظ ص ۵۳۴ ج ۱

کرنے کے لئے بتوں کو سامنے رکھتے ہیں، ممکن ہے کہ ان کا اصل مذہب یہی ہو، مگر اب ان کے ہندو مذہب لوگوں کا ایسا خیال نہیں، اب تو بتوں کو معبود ہی سمجھتے ہیں۔[1]

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی دعاء اور عاجزی پر رحم فرما کر اپنی عنایت سے بلا تدبیر کے بھی کام کرتے ہیں اور بغیر اس کے کہ پورے طور پر سامان جمع کریں (یعنی ظاہری اسباب اختیار کئے بغیر بھی) ان کا کام ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بیوی نے تنور میں ایندھن جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ ہم کو رزق دیجئے، تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے بھرا ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو خدا کی رزاقی پر پورا یقین تھا اور یہ حضرات تو خدا تعالیٰ کے خاص بندے تھے، ان کو خدا کی رحمت پر پورا یقین ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں، شیطان کے یقین کو دیکھئے کہ خاص غصہ کے موقع پر بھی اس کو پورا بھروسہ تھا کہ خدا تعالیٰ غصہ کے اندر بھی میری دعاء رد نہ کریں گے، چنانچہ اس نے دعاء کی کہ مجھ کو قیامت تک زندہ رکھا جائے حالانکہ یہ ایک ایسی بات تھی جو خود نبیوں کو بھی نہیں دی گئی مگر شیطان نے رحمت کے بھروسہ پر اس کی دعاء کر دی اور قبول بھی کر لی گئی، دعاء کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔[2]

دعاء وتوکل کے نتیجے میں کرامت کا صدور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس آیا جب ان کی حالت محتاجی (سخت تنگی) کی دیکھی تو جنگل کی طرف چلا گیا (یا تو فکر معاش میں یا اس خوف سے کہ گھر والے پریشان نہ کریں) جب اس شخص کی بیوی نے یہ دیکھا تو چکی کی طرف چلی اور اس کا اوپر کا پتھر نیچے کے پتھر پر رکھ دیا اور تنور کی طرف

[1] حسن العزیز ص ۱۴۴ ج ۳ [2] تسہیل المواعظ ص ۵۳۵ ج امہمات الدعاء ۲

چلی اور اس کو ایندھن سے جھونک دیا پھر دعاء کی کہ اے اللہ! ہم کو رزق دے، دیکھتی کیا ہے کہ چکی کا حلقہ بھی (آٹے سے) پُر ہے اور تنور کو بھی (روٹیوں سے) پُر پایا، پھر خاوند جو واپس گھر آیا کہنے لگا کہ میرے بعد کچھ تم کو ملا ہے؟ عورت بولی ہاں ہمارے پروردگار کی طرف سے ملا ہے اور مرد چکی کے پاس گیا (اور پتھر اٹھادیا) اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص اس پتھر کو نہ اٹھاتا تو وہ چکی قیامت تک چلتی رہتی (اور آٹا نکلتا رہتا) (روایت کیا اس کو احمد نے۔)[1]

فائدہ: کسب متعارف (کسب معاش کے معروف طریقوں) کے علاوہ خرق عادت کے طور پر (جو مال حاصل ہو) جیسا کہ (مذکورہ) حدیث میں ہے، واقع میں نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہے۔[2]

(فائدہ: کرامت بندہ کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اس کا صدور ہوجائے، جس طریقے سے معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہے ظاہر ہوجائے، بعض معجزات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمنا کی لیکن آپ کی خواہش کے مطابق معجزہ ظاہر نہیں ہوا، اسی طرح کرامت بھی کسی اللہ کے بندے اور ولی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے صادر ہوجائے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو احکام پر عمل کرنے اور اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے طریقے، حدود وقیود متعین فرمادیئے ہیں کہ یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے، بندے اسی کے مکلّف ہیں۔ کرامت غیر اختیاری ہے، اور غیر اختیاری امر کے بندے مکلّف نہیں، اس لئے اس کے بھروسہ اسباب کو ترک کرنا جائز نہیں) مرتب

توکل کے حدود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کا پہرہ دیا جایا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ

[1] مشکوۃ باب التوکل والصبر ص۴۵۴، ج۲ التکشف عن مہمات التصوف ص۴۱۶ [2] التکشف ص۳۹۸

الــنَّــاسِ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں (کے شر) سے بچالیں گے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک خیمہ سے نکال کر فرمایا کہ اے لوگو! جاؤ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔[1]

فائدہ: توکل کی یہ قسم قوی القلب کے لئے جائز بلکہ مستحب ہے اور اکثر اہل طریق کا یہی شعار رہا ہے یہ حدیث صراحۃً اس پر دال ہے۔

تنبیہ: اور اسباب یقینیہ ضروریہ کا ترک ناجائز اور خارج از توکل ہے البتہ اگر خرق عادت کے طور پر واقع ہو وہ مستثنیٰ ہے۔[2]

اپنے بعد بیوی بچوں کی فکر توکل کے منافی نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں سے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو تمہارے معاملہ (گذران) میں (ایک گونہ) فکر ہے کہ میرے بعد کیا ہوگا اور تم کو (تمہاری خدمت گذاری کو) وہی نباہیں گے جو بڑے ہمت والے اور پکے ہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تمہارے باپ کو بہشت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے (کہ انہوں نے ہماری بڑی خدمت کی) اور عبدالرحمٰن بن عوف نے امہات المؤمنین کو ایک زمین دی تھی جو چالیس ہزار میں بکی اور ابوسلمہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے امہات المؤمنین کے لئے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو چار لاکھ کا بکا۔[3]

فائدہ: بعض ناواقف جس بزرگ کو اہل وعیال کی فکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کامل نہیں ہیں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فکر خود مسنون ہے البتہ اس میں غلو بیشک منافی کمال بلکہ خود منافی طریق ہے۔[4]

---

[1] روایت کیا اس کو ترمذی نے حدیث: ۳۰۴۶، ابواب تفسیر القرآن من سورۃ المائدہ
[2] التکشف ص ۲۸۰ [3] روایت کیا اس کو ترمذی نے حدیث: ۳۷۴۹ ابواب المناقب، باب حکایت وصیۃ عبدالرحمٰن (تیسیر الوصول الیٰ جامع الاصول مطبوعہ کلکتہ ص ۳۵۴) [4] التکشف ص ۳۶۳

فصل

اسباب وتوکل اور تدبیر سے متعلق فیصلہ کن جامع مضمون

اسباب وتوکل کی قسمیں اور ان کے شرعی احکام

توکل کی دو قسمیں ہیں، علماً وعملاً۔

علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی ومدبّر حقیقی حق جل وعلا شانہ کو سمجھے، اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے، یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور اسلامی عقیدہ کا جزء ہے۔

قسم دوم: توکل عملاً اس کی حقیقت ترکِ اسباب ہے، پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں۔

اسباب کی دو قسمیں، اسبابِ دینیہ ودنیویہ

اسبابِ دینیہ اور اسبابِ دنیویہ، اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران وحرمان ہے (یعنی نقصان ومحرومی) اور شرعاً یہ توکل نہیں، اگر لغۃً توکل کہا جائے تو یہ توکل مذموم (ممنوع اور برا) ہے۔

دنیوی اسباب کی قسمیں

اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو اس نفع کی دو قسمیں ہیں، حلال یا حرام، اگر حرام ہو اس کے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے، اور اگر حلال ہو اس کی تین قسمیں ہیں۔

حلال اسباب کی تین قسمیں اوران کا حکم

یقینی اور ظنی اور وہمی، اسباب وہمیہ جن کو اہل حرص وطمع اختیار کرتے ہیں جس کو طول امل (یعنی لمبی لمبی امیدیں باندھنا) کہتے ہیں ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض وواجب ہے۔

اور اسبابِ یقینیہ جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہوجائے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہوجانا، پانی کے بعد پیاس کم ہوجانا، اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغۃً توکل کہا جائے تو یہ توکل ناجائز ہے۔

اور اسبابِ ظنّیہ جن پر غالباً (یعنی اکثر فائدہ اور) نفع مرتب ہوجائے مگر بارہا تخلّف بھی ہوجاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہوجانا یا نوکری ومزدوری کے بعد رزق ملنا، ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں، اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کے لئے جائز ہے، بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کے لئے مستحب بلکہ کسی قدر اس سے بھی مؤکد ہے۔

پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ: (۱) توکل علمی تو مطلقاً (حرام ہے) (۲) اور عملی بمعنی ترک اسبابِ (قطعیہ) حرام ہے۔ (۳) اور ترکِ اسبابِ نفع دنیوی موہوم (یعنی موہوم دنیوی نفع کے اسباب کا ترک کرنا) فرض۔

(۴) اور (توکل) بمعنی ترکِ اسبابِ دینیہ (یعنی دینی اسباب کا ترک کرنا مثلاً ضروری علم دین حاصل کرنے اور اپنے نفس کی اصلاح کے جو اسباب ہیں ان کو ترک کرنا)

(۵) اور (توکل) بمعنی ترک اسبابِ دنیویہ مباحہ یقینیہ حرام ومذموم ہے۔

(۶) اور (توکل) بمعنی اسبابِ مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی

النفس کو مستحب، پس تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام اور ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔[1]

تدبیر واسباب کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام

تدبیر میں دو مرتبے ہیں ایک اس کا نافع ہونا دوسرا اس کا جائز ہونا۔

(۱) سو نافعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں۔

اور اس کے جواز میں یہ تفصیل ہے کہ اس میں دو مرتبے ہیں۔

(۲) ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعیین ومنکرین قدر کے مستقل بالتاثیر سمجھا جائے (یعنی یہ سمجھا جائے کہ ان اسباب وتدابیر میں اللہ کی مشیت کے بغیر بھی بذات خود تاثیر ہے) سو یہ اعتقاد شرعاً حرام وباطل ہے۔

(۳) البتہ تاثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے۔

دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی (اپنے اغراض و) مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے کیسا ہے؟ سو اس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیاوی مباح ہے یا معصیت۔

(۴) اگر معصیت ہے تو اس کے لئے اسباب کا اختیار مطلقاً ناجائز ہے۔

اور اگر وہ دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ امر دین واجب ہے یا مستحب؟

(۵) اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔

---

[1] بوادر النوادر ص ۲۶۷ ج ۱

(۶)اور اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے۔

اور اگر وہ دنیاوی مباح (یعنی جائز دنیا) ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیاوی مباح ضروری ہے یا غیر ضروری؟ اگر ضروری ہے تو اس کے اسباب کو دیکھنا چاہئے کہ ان پر اس مقصد کا ترتب یقینی ہے یا غیر یقینی ہے؟

(۷)اگر یقینی ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔

(۸) اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لئے اسباب کا اختیار کرنا واجب اور اقویا کیلئے گو جائز ہے مگر ترک افضل ہے۔

(۹)اور اگر وہ دنیاوی مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے۔

(۱۰)ورنہ (اگر مضر دین نہ ہو تو) جائز، مگر ترک افضل ہے۔

یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے اس تقریر سے معلوم ہو جائیگا کہ کس مرتبہ میں توکل جائز یا ناجائز ہے اور کس مرتبہ میں تدبیر جائز یا ناجائز ہے۔

ان دونوں تقریروں کے جمع کرنے سے اس مسئلہ میں پوری شفاء ہو سکتی ہے۔[۱]

توکل کے متعلق مختصر جامع کلام

توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے (یعنی غیر اللہ سے) قطع نظر کرنا اور یہ ''قطع نظر'' اعتقاداً کرنا تو فرض ہے، اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے، اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں ان کا ترک کرنا معصیت ہے، بجز اہل حال کے کہ ان کو اس کی بھی اجازت ہے، اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے، اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔[۲]

[۱] بوادر النوادر حکمۃ نمبر ۴۵ ص ۲۶۸ ج ۱ [۲] ملفوظات کمالات اشرفیہ ص ۱۱۳ ملفوظ ۱۲۰

فصل

اسباب وتدبیر اور دعاء سے متعلق

چند اہم ضروری ہدایات، اصلاحات، تنبیہات

اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو محض اسباب سے کچھ نہیں ہوسکتا

ہر حاجت میں دعا (اللہ ہی سے) کیا کرو اور دل سے دعا کیا کرو اور اس کے ساتھ تدبیر بھی کرو کیونکہ تدبیر امر مشاہد ہے اور مشاہدے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے اور دعا کو تدبیر کہنا تو برائے ظاہر ہے ورنہ حقیقت میں اس کا درجہ تدبیر سے آگے ہے، دعا کو تقدیر سے زیادہ قرب ہے کیونکہ اس میں اس ذات سے درخواست وسوال ہے جس کے قبضہ میں تقدیر ہے باقی اسباب وتدابیر کا درجہ صرف اتنا ہے جیسے ریلوے کا ملازم جھنڈی دکھلا دے جس سے ریل گاڑی فوراً رک جائے گی، ظاہر ہے کہ لال جھنڈی میں تاثیر کی قوت نہیں اگر ڈرائیور انجن کو نہ روکے تو ہزار لال جھنڈیاں بھی پامال ہوجائیں گی، پس لال جھنڈی کا درجہ صرف اتنا ہے کہ ڈرائیور نے یہ اصطلاح مقرر کرلی ہے کہ ہم ایسی جھنڈی سے گاڑی کو روک دیں گے اور دوسری قسم سے چلادیں گے لیکن اگر کسی وقت وہ اس قرارداد کے خلاف کرنا چاہے تو جھنڈی میں اس کو روکنے کی اصلاً (بالکل) طاقت نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا ہے کہ جو شخص اسباب کو اختیار کرے گا ہم مسببات کو اس پر فائض کردیں گے (یعنی اسباب پر نتائج مرتب کردیں گے) لیکن اگر کسی وقت وہ مسببات کو پیدا نہ کرنا چاہیں تو اسباب سے کچھ نہیں ہوسکتا۔[1]

[1] الاصابۃ فی معنی الاجابۃ ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۳۴

مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں

اسباب کا نام ایک مصلحت وحکمت کی وجہ سے ہے ورنہ سب کچھ وہی کرتے ہیں اور بندہ کا نام ہوجاتا ہے کہ حکیم صاحب کے ہاتھ سے شفا ہوئی یا فلاں صاحب کی تقریر کا یہ اثر ہوا۔

صاحبو! اثر اور تاثیر سب خدا کی طرف سے ہے، وعظ کہہ کر جب یہ وسوسہ آتا ہے کہ آج اچھا مضمون بیان ہوا تو میں یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

حقیقت میں موثر وہی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ)

اسباب میں (بذات خود کوئی) تاثیر کی طاقت نہیں وہ صرف علامات ہیں جیسے میں نے ابھی لال جھنڈی کی مثال دی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس مضمون کو بار بار بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک جگہ بہت تصریح کے ساتھ فرماتے ہیں:

اَفَرَأَیْتُمْ مَاتَحْرُثُوْنَ ط ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ط لَوْنَشَاءُ لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًافَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ ط اِنَّالَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ط اَفَرَأَیْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْہُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْنَشَاءُ جَعَلْنٰہُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ ط اَفَرَأَیْتُمُ النَّارَالَّتِیْ تُوْرُوْنَ ط ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَھَااَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ نَحْنُ جَعَلْنٰھَا تَذْکِرَۃً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ط فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ط۔ (سورہ واقعہ پ ۲۷)

(ترجمہ) اچھا پھر یہ بتلاؤ تم جو کچھ تخم (بیج) وغیرہ بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو چورا چورا کردیں، پھر تم متعجب ہو کر رہ جاؤ گے کہ اب کہ تو ہم پر تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے، یعنی سارا ہی

سرمایہ گیا گذرا، اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برسانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے، سو آپ عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے۔ (بیان القرآن)

حاصل اس کا یہ ہے کہ کھیتی کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، اگر وہ چاہے تو ہرے بھرے کھیت ایک دم میں خشک ہو جائیں اور کاشتکار ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، بادل سے شیریں پانی وہی برساتا ہے اگر وہ چاہے تو سمندر کا شور (کڑوا) پانی اسی شوریت کے ساتھ نازل ہوا کرے جو سمندر میں ہے مگر وہ اپنی رحمت سے اس کو صاف کر کے شیریں کر کے نازل کرتے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بار بار سوال فرمایا ہے کہ بتلاؤ یہ کام تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں؟ جس کا جواب کسی کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں یہ تو اعیان کے متعلق گفتگو تھی۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے افعال بھی ظاہر میں ہمارے معمول نظر آتے ہیں ورنہ حقیقت میں ان کی علت بھی وہی ہیں اور ہماری طرف ان اعمال کی نسبت ایسی ہے جیسے بچے کے ہاتھ میں قلم دے کر پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر لکھا جائے اور دو چار حرف خوشنما لکھ کر بچہ کی تعریف کی جائے کہ شاباش بہت اچھا لکھا، اب اگر بچہ سمجھدار ہے وہ جانے گا کہ میرا کمال کچھ نہیں بلکہ اس کا کمال ہے جس نے اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے رکھا تھا اور ناداں ہے تو جہالت سے ناز کرنے لگے گا، مگر جس وقت وہ دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ ہو جائے گا اس وقت اس کو معلوم ہوگا کہ وہ لکھنے پر کتنا قادر ہے اور اس میں کتنا کمال ہے۔

صاحبو! اسی طرح اپنے اعمال صالحہ واوصاف کمالیہ پر نادان ہی ناز کرسکتا ہے جس کو اپنا ہاتھ تو نظر آتا ہے اور دوسرا ہاتھ نظر نہیں آتا، اور جن کو دوسرے ہاتھ کا مشاہدہ ہوگیا ہے، ان کی نظر اپنے کمالات پر اصلاً نہیں ہوتی۔[1]

تدبیر اختیار کرتے وقت بھی اللہ ہی پر نظر رکھو

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ سے مفہوم ہوا کہ تدبیر تو کرے لیکن اصل مقصود تدبیر کے وقت بھی توکل اور خدا پر نظر رکھنا ہے، تدبیر کی مشروعیت کی علت تو محض ہمارا ضعف ہے اور اظہار ہے غایتِ افتقار (اور محتاجگی) کا کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط نہیں ہیں کہ آپ کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج نہ ہوں۔

بلکہ اس کو اپنا دستور العمل بنالو کہ جو کام کرو کم از کم ایک ہی مرتبہ یہ ضرور سوچ لیا کرو کہ اے اللہ یہ کام آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں گے تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، یہ ایسی سہل اور آسان بات ہے کہ کچھ اس میں مشقت نہیں اور نفع اس کا کثیر ہے، چندروز کرکے تو دیکھو کیا رنگ لاتی ہے۔[2]

اللہ کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا توکل کے منافی نہیں

اور یہاں سے راز معلوم ہوگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا کہ کھانا تناول فرما کر آپ دعا فرماتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا غَیْرَ مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا یعنی اے اللہ اس روٹی کے ہم محتاج ہیں ہم اس سے مستغنی نہیں ہیں غرض حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی احتیاج کا اظہار اس نظر سے کہ اپنا افتقار الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجگی)

[1] الاصابۃ فی معنی الاجابۃ ص ۳۶ [2] وعظ التوکل ص ۱۱۸، ۱۲۰

ظاہر ہو توکل کے منافی نہیں ہے، ہاں اگر خود ان اسباب ہی کو مطلوب بنالیوے تو یہ البتہ منافیِ توکل ہے، غرض اسباب اور تدابیر کی مشروعیت (اور اس کا جواز) ہمارے ضعف اور افتقار کے اظہار کے لئے ہے نہ کہ ان کو مقصود بالذات بنانے کے واسطے۔ (وعظ التوکل)

تدبیر کی مشروعیت کی حکمت

اور بعض اہل اللہ نے تدابیر کی مشروعیت کی حکمت (کچھ اور بھی) لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ تدبیر کرنا اس لئے جائز کیا گیا ہے کہ ہم تدبیر کریں اور وہ اس کو توڑتے رہیں تاکہ ہم کو یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے اسباب اور تدابیر کوئی چیز نہیں، موثر حقیقی حقیقت میں ذات واحد (یعنی اللہ تعالیٰ ہی) ہے چنانچہ بعض اہل حال کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا ہے، کہنے کی بات تو نہ تھی لیکن زبان پر آئی ہوئی بات کہہ دی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ عوام کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تدابیر میں کامیابی حاصل ہوتی جاتی ہے اور شاذ ونادر تدبیر خطا بھی ہوجاتی ہے، اور اہل حال وخواص عباد (یعنی اللہ کے خاص بندوں، ولیوں) کے ساتھ (کبھی) یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جو تدبیر وہ کرتے ہیں اکثر توڑ دی جاتی ہے، وہ عزم کرتے ہیں کہ فلاں کام نہ کریں گے وہی ان سے صادر ہوتا ہے، آخر رفتہ رفتہ ان کو واضح ہوجاتا ہے کہ ہماری قوت اور ارادہ لاشیِ محض ہے (یعنی کچھ بھی نہیں) اور اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور تفویضِ محض ان کی شان ہوجاتی ہے۔[1]

ترکِ اسباب کے اقسام واحکام

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو اسباب ایسے ہیں کہ عادتاً مسبَّب (نتیجہ) اسی پر مرتب ہوتا ہے ایسے اسباب کو تو ترک کرنا حرام ہے ہاں اس کی تقلیل (کمی) کردے،

[1] التوکل ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۲۰

جیسے کھانا پیٹ بھرنے کے لئے، پینا سیرابی کے لئے سونا راحت کے واسطے، اگر کسی نے یہ اسباب ترک کردیئے اور مرگیا تو گناہ گار ہوگا، ہاں اگر کسی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہوجائے کہ اس کو بغیر کھائے بھوک نہ لگے اور ضعف نہ ہو تو مستثنیٰ ہے جیسے بعض بزرگوں نے سال سال بھر نہیں کھایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر کئی کئی روز بدون شب کو افطار کئے ہوئے روزے رکھتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی دیکھ کر شروع کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا أَيُّكُمْ مِثْلِي اِنَّمَا يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ یعنی تم میں مجھ جیسا کون ہے مجھ کو تو میرا رب کھلا پلا دیتا ہے، ذکر اللہ سے ایسے حضرات کو ایسی سیری حاصل ہوجاتی ہے جیسے غذا سے۔

میرے ایک ذاکر دوست کہتے تھے کہ میں نے آزمایا تھا کہ دیکھوں کتنے دن نہیں کھا سکتا، دس بارہ دن تک متواتر نہیں کھایا تو کچھ زیادہ ضعف محسوس نہیں ہوا، پس یہ لوگ تو مستثنیٰ ہیں، لیکن جو ایسا نہ ہو اور پھر کھانا پینا ترک کردے اور مرجائے تو حرام موت مرے گا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو ہم پر ہم سے زیادہ رحم ہے کہ اس طور سے اپنے کو ہلاک کردینے کو حرام فرمادیا۔[1]

توکل کا مفہوم اور اسباب کی تین قسمیں

پس ایسے اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں ہاں ایسی تقلیل جو مفضی الی الضعف المفرط (یعنی اتنی کمی جس سے زیادہ کمزوری) نہ ہو جائز ہے اور جس طرح ترکِ اسباب ناجائز ہے اسی طرح اسباب میں انہماک بھی ناجائز ہے، مثلاً کھانے ہی کی صورت میں نہ یہ جائز ہے کہ بالکل ترک کردے اور نہ ایسا انہماک جائز ہے کہ جو ملے کھا جائے، نہ حرام کی تمیز کرے نہ حلال کی، ایسے امور میں اسی توسط (واعتدال) کا نام

[1] التوکل ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۰۱

توکل ہے، ایک قسم اسباب کی یہ ہوئی۔

اور بعض اسباب وہ ہیں کہ مسبب (نتیجہ) ان پر اسباب اختیار کئے بغیر بھی مرتب ہو جاتا ہے جیسے کسبِ مال کے ذرائع مال حاصل کرنے کے لئے کہ مسبب ان ذرائع پر موقوف نہیں ہے، بلا ان اسباب کے بھی بکثرت ترتب ہو جاتا ہے (یعنی مال مل جاتا ہے)۔

اسباب میں توکل

ایسے اسباب میں توکل یہ ہے کہ اگر اپنے نفس میں قوت پائے اور پریشانی نہ ہو تو ترک کر دینا جائز ہے۔

تیسرے اسباب وہمیہ کہ مسبب (اثر اور نتیجہ) کا مرتب ہونا ان پر بہت بعید ہے جیسا دور دراز کا سامان کرنا کہ فلاں جگہ سے روپیہ مل جائے تو جائیداد خریدوں گا، اور اس جائیداد کی آمدنی سے ایک تجارت کا کارخانہ کھولوں گا اس کے بعد فلاں کام کروں گا یہ سوچ کر ان اسباب میں ایسا مشغول ومنہمک ہو گیا کہ حلال وحرام کی بھی تمیز نہ رہی ایسے اسباب کا ترک واجب ہے۔

اسباب کی تینوں قسموں کا خلاصہ

پس اسباب کی کل تین قسمیں ہوئی اسباب قطعیہ، اسباب ظنیہ، اسباب وہمیہ۔

اسبابِ قطعیہ کا ترک حرام اور اسبابِ ظنیہ کا ترک بشرط قوت نفس مندوب اور اسباب وہمیہ کا ترک واجب، صوفیاء کرام توکل سے مراد اسباب ظنیہ کا ترک لیتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں جہاں توکل کا امر ہے اس سے کہیں تو تقلیل یا ترک اسباب ظنیہ مراد ہے اور کسی جگہ ترک اسباب وہمیہ مقصود ہے یہ تقریر تو نفس توکل کے متعلق تھی۔[1]

[1] التوکل ص ۱۰۳

خواص متوکلین کی ایک غلطی

توکل کے متعلق بعضے خواص متوکلین ایک غلطی میں مبتلا ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ متوکلین کی حالت باعتبار توکل کے تمام احوال میں یکساں نہیں دیکھی جاتی حالانکہ توکل کا تقاضا یہ ہے کہ تمام حالات میں حق تعالیٰ پر یکساں نظر ہو لیکن ان کے مختلف احوال میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے اور اس فرق کا احساس خود ان کو بھی نہیں ہوتا اور وہ فرق یہ ہے کہ اسباب کے ترک میں جتنی ان کی نظر حق تعالیٰ پر ہے اس قدر نظر اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں نہیں ہوتی حالانکہ دونوں مواقع توکل کے ہیں کہ دونوں میں تفویض الی الحق یکساں ہونا چاہئے گو اسباب کے اختیار کرنے کو اصطلاحاً توکل نہیں کہا جاتا۔

لیکن توکل کی حقیقت جو تفویض الی الحق ہے (یعنی جس کا حاصل اللہ کے سپرد کرنا ہے اور ہر حال میں اسی پر اعتماد کرنا ہے) وہ اختیار اسباب اور عدم اختیار اسباب (یعنی اسباب اختیار کرنے اور نہ کرنے) دونوں میں یکساں ظاہر ہونا چاہئے اس لئے کہ الشئی اذاثبت ثبت بلوازمہ تو توکل کے لوازم بلکہ حقیقت اس کی یہی تفویض الی الحق ہے کہ ہر موقع میں اس کا ظہور ہونا ضروری ہے گو اعتقاداً تو یکساں حالت ہے لیکن حالاً یکساں نہیں ہے، دیکھ لیجئے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کر لیجئے! متوکلین اور غیر متوکلین سب اس بات کا احساس کر سکتے ہیں کہ ترکِ اسباب میں جو کیفیت قلب کی تفویض (یعنی حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے) کے اعتبار سے ہوتی ہے اس درجہ کی کیفیت اسباب کے اختیار کرنے میں نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک شخص نوکری یا تجارت چھوڑ کر بیٹھ گیا تو جیسی نظر اس صورت میں حق تعالیٰ پر ہوتی ہے اس مرتبہ کی نظر اس صورت میں نہیں ہے کہ کھانا کھا رہے ہیں، اس

صورت میں حالاً نظر اس پر ہے کہ کھانا کھانے سے شبع ہوگا (یعنی پیٹ بھر جائے گا اور سیرابی ہوجائے گی) یہ حالت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہیں گے تو شبع اور قوت حاصل ہوگی ورنہ نہیں، یا مثلاً مکان بنوا رہے ہیں یہاں اس قسم کی نگاہ حق تعالیٰ پر نہیں بلکہ اسباب پر نظر ہے، جتنا روپیہ پاس ہے اس پر نظر ہے اور آئندہ کے لئے فکر ہے کہ کیسے اس کی تکمیل ہوگی پس اس فرق کے کیا معنی؟

یہ ہے وہ غلطی جو اول میرے ذہن میں آئی اس کے بعد تلاش ہوئی کہ کہیں شریعت میں بھی اس کا پتہ ہے یا نہیں چنانچہ تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ صریح دلالت اس مضمون پر اس آیت میں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجئے پھر جب آپ عزم کریں گے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

اس آیت میں ایک مرتبہ تو ہے مشورہ کا اور دوسرا مرتبہ ہے عزم کا یعنی جب مشورہ میں پختہ ارادہ ایک جانب کا طے ہوجائے اس کے بعد حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے یہ ظاہر بات ہے کہ مشورہ ایک تدبیر ہے پس مشورہ کا محل وہ امر ہوگا جو محل تدبیر ہو اور اس کا تعلق اسباب اور تدبیر سے ہو، غیر اختیاری نہ ہو اور نیز عزم کا حاصل ہے ترجیح احد المقدورین (یعنی جن دو چیزوں پر قدرت ہو ان میں سے ایک کو راجح قرار دینا) اس سے بھی واضح ہوجاتا ہے کہ امر اختیاری کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

پس حاصل یہ ہوا کہ جن امور کا تعلق اسباب سے ہے ان کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کے اسباب اور تدبیر میں اول آپ مشورہ فرمایئے اور مشورہ میں جو امر طے ہو یعنی جس سبب کی مباشرت (اور اختیار کرنا) قرار پائے جب آپ اس سبب کا عزم فرماویں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے، پس اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ توکل کچھ اسی موقع کے

ساتھ خاص نہیں ہے کہ جس میں اسباب کو ترک کر دیا جائے بلکہ اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی توکل اپنے آثار ولوازم کے ساتھ ہونا چاہئے۔

اب دیکھ لیجئے کہ اس حالت میں توکل کس کے اندر ہے؟ عوام تو عوام خواص جو تارکِ اسباب یا مقلِّلِ اسباب ہیں (یعنی اسباب کو چھوڑنے والے یا ان میں کمی کرنے والے ہیں) ان میں بھی یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے جیسے ان کی نظر اسباب نہ اختیار کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اس درجہ کی نظر اسباب کے اختیار کرنے کی حالت میں نہیں ہوتی تو یہ بڑی کوتاہی ہے۔[1]

کامل توکل کا تقاضا اور اس کی علامت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل کی حالت

اور حقیقت میں توکل کی صفت میں کمی ہے اور اپنی اس غلطی پر تنبہ نہیں ہے، مجھ کو خود اس پر تنبہ نہیں تھا سفر میں یہ بات محسوس ہوئی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سفر میں تو توکل کی صفت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے یعنی جب کہیں سفر ہوتا ہے تو قلب خوف ورجا (ڈر اور امید) میں ہوتا ہے کہ دیکھئے گھر واپسی ہوگی یا نہیں اگر حق تعالیٰ خیر وعافیت رکھیں گے تو ہو جائے گی ورنہ ممکن ہے کوئی عارض ایسا پیش آجائے کہ جو راستہ ہی میں ختم ہو جائیں حالانکہ اسباب گھر پہونچنے کے موجود ہیں لیکن ان اسباب پر نظر نہیں ہوتی صرف حق تعالیٰ پر ہوتی ہے، پس اس مقام پر تو حالی توکل حق تعالیٰ نے نصیب کر دیا اور ممکن ہے کہ یہ امر میرے ضعفِ قلب سے ہو اور میں اس کو توکل سمجھتا ہوں، بہر حال جو کچھ بھی ہو اس حالت میں نظر حق تعالیٰ پر ہوتی ہے یہ تو سفر کی حالت تھی۔

[1] التوکل ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۰۵

اور مسجد سے گھر جانے تک یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ قلب کے اندر خوف ورجا کی کیفیت ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو پہنچیں گے ورنہ نہیں جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہر وقت تھی، چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہو کر فوراً تیمّم فرلیتے تھے، صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی تو موجود ہے، آپ فرماتے ہیں کہ شاید پانی تک نہ پہنچ سکوں، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہر وقت اور ہر حال میں حق تعالیٰ پر تھی، یہ بات ہم لوگوں کو میسر نہیں، ہماری جو حالت کلکتہ جانے سے ہوتی ہے اسٹیشن پر جانے میں وہ کیفیت نہیں ہے۔

یا مثلاً مکان بنوار ہے ہیں جتنا روپیہ پاس ہے اس کا نقشہ تو سامنے ہے اور آگے کا کھٹکا ہے، گویا روپیہ کے اختتام کے بعد تو حق تعالیٰ پر نظر ہے اور روپیہ ہونے تک اسباب پر نگاہ ہے، توکل کا مقتضا تو یہ تھا کہ اسباب کے ہوتے ہوئے بھی حق تعالیٰ ہی پر نظر ہوتی کہ اگر وہ چاہیں گے تو مکان بنوادیں گے ورنہ نہیں سو یہ حالت نہیں ہے۔

اور لیجئے دوا پی کر صحت کی امید میں حق تعالیٰ پر نظر ہوتی ہے ایسی نظر اس وقت تک نہیں ہوتی کہ ''جوشاندہ'' پک کر ہمارے پاس آرہا ہے اس وقت یہ احتمال نہیں ہوتا کہ شاید راستہ ہی میں گر جائے اور ہم تک نہ پہنچے۔

خلاصہ یہ ہے کہ خوف ورجا (یعنی امید اور خطرہ) ہر وقت ہونا چاہئے اس لئے کہ خوف ورجا توکل کے لوازم سے ہے حالانکہ ہماری یہ حالت نہیں بے شک یہ کمی ہے حال کی اور بڑی بھاری کمی ہے کہ جس کی طرف آج تک التفات بھی نہ ہوا تھا، اسی ہفتہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر تنبہ ہوا اور سفر کی بدولت یہ بات سمجھ میں آئی۔

میں کہا کرتا تھا کہ سفر عذابِ جان ہے مگر اس سفر میں اس علم کے حاصل ہونے سے یہ خیال بدل گیا اور معلوم ہوا کہ سفر بسا اوقات بہت سے فوائد کا سبب (بھی) ہوتا ہے مگر اس کا احساس چھوٹے سفر میں نہیں ہوا، بڑے سفر میں ہوا یہ ریل کی برکت ہے کہ

اس کے سبب توجہ الی اللہ ہوئی، اسی طرح ریلوے کے قصے جو سنے گئے کہ لڑ جاتی ہے اس روز سے جب ریل میں سوار ہونے کا اتفاق ہوتا ہے تو خوف معلوم ہوتا ہے کہ دیکھئے صحیح سلامت گھر پہنچتے ہیں یا نہیں، اور حق تعالیٰ پر نظر ہوتی ہے کہ وہی چاہیں گے تو پہنچائیں گے، اس اعتبار سے ان ریلوں کا وجود بھی ہمارے حق میں رحمت ہوگیا اس لئے کہ جو شئے توجہ الی اللہ کا سبب ہوجائے اس کے رحمت ہونے میں کیا شک ہے۔[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حکایت

عمر بن عبدالعزیزؒ کی حکایت یاد آگئی کہ ان کے مکان میں ایک زینہ تھا جب وہ اس پر چڑھتے تھے اس کی ایک اینٹ ہلا کرتی تھی، ایک لونڈی نے اس کو گارا لگا کر مضبوط و درست کر دیا، ایک بار جو وہ چڑھے تو وہ ہلی نہیں پوچھا کہ اینٹ کیوں نہیں ہلی؟ عرض کیا گیا کہ اس کو درست کر دیا گیا ہے، فرمایا کہ اس کا ہلنا ہمارے لئے رحمت تھا کہ جب ہم اس پر قدم رکھتے تھے تو ہم کو پلصراط یاد آتا تھا کہ اے اللہ اس اینٹ سے ہم کو جب اندیشہ ہوتا ہے تو پلصراط پر کیا حال ہوگا، پس منشا میرے اس اندیشہ وخوف کا جو کہ ریل میں ہوتا ہے اگر ضعفِ قلب ووہم بھی ہو تو جو ضعف سبب ہوجائے استحضار کا تو وہ مبارک ہے اور بہتر ہے اس قوت سے جو کہ غفلت کا باعث ہو ایسی قوت کس کام کی ہے۔[2]

ہر وقت مسبّب یعنی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنے کی ضرورت

ایک مختصر سی بات تھی جس کو میں مختصر ہی بیان کرنا چاہتا تھا لیکن مضمون طویل ہوگیا یہاں سے بھی یہ مسئلہ جس کا ذکر کر رہا ہوں ثابت ہوگیا اور اپنی بصیرت کی کمی بھی معلوم ہوگئی کہ اختصار کے قصد کے وقت نظر ہونا چاہئے تھا حق تعالیٰ پر کہ اگر اللہ تعالیٰ کی

[1] التوکل ص ۱۰۷ [2] التوکل ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۰۷

مشیت ہوگی تو اختصار ہوگا ورنہ نہیں، مگر اس سے غفلت ہوئی۔

اور میرا مقصود اس مضمون کے اظہار سے یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کردیا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جیسے ترکِ اسباب میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے اسی طرح اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی ہونا چاہئے غرض کسی وقت مسبّب (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے) سے غفلت نہ ہو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں ؂

عقل دراسباب می دارد نظر　　　عشق می گوید مسبب رانگر

عقل اسباب پر نظر رکھتی ہے اور عشق مسبّب پر (یعنی اللہ تعالیٰ پر) نظر رکھتا ہے یعنی اسباب سے نظر متجاوز کر کے خالق الاسباب کو دیکھو، اسباب پر جس طرح اعتقاداً نظر نہیں ہے حالاً بھی نظر نہ ہو۔

مثلاً ایک شخص لکڑی سے کسی کو مار رہا ہے تو جو کوتاہ نظر ہے وہ تو کہے گا کہ لکڑی مار رہی ہے اور جس کی نظر اس سے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ بے وقوف لکڑی کیا مارتی، ہاتھ مارتا ہے اور حقیقت میں مارنے والے کی طرف نسبت کرے گا، پس اسباب کو ایسی حیثیت سے مت دیکھو جس حیثیت سے اس ظاہر بین شخص نے لکڑی کو دیکھا[1]

ایک شبہ کا جواب

اب یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ تمہاری تقریر کا حاصل تو یہ ہوا کہ توکل کی شان یہ ہے کہ آدمی ہر وقت ایسے ہی خوف ورجا (امید اور خطرہ) کے اندر رہے جیسے ترکِ اسباب کی صورت میں رہتا ہے پس تم تو تردد اور تذبذب اور پریشانی اور بے اطمینانی کی تعلیم کرتے ہو حالانکہ بزرگوں کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر

[1] التوکل ص ۱۰۸

بھروسہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خلجان بالکل نہ ہو قلب مطمئن ہو اور بعض آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلاَ قُوااللّٰہَ، کَمْ مِنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ.

غرض قرآن وحدیث اور بزرگوں کے اقوال سے تو قرار (سکون واطمینان) کی تعلیم ہوتی ہے اور تم بے قراری سکھلاتے ہو۔؟

دوسری جگہ ارشاد ہے **وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہ**، یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے وہ اس کو کافی ہے یہ آیت بھی سکون کی تعلیم کرتی ہے اور تمہاری تقریر سے حرکت واضطراب کی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔

بات یہ ہے **حفظتَ شیأً وغابت عنک اشیاء** (ایک پہلو پر تمہاری نظر گئی دوسرے پہلوؤں سے بے خبر رہے) حق تعالیٰ کے ارشاد سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ ایک جانب کو قرار دے لو، یہ کہیں وعدہ نہیں ہے کہ جو جانب تمہاری مرضی کے موافق ہے اس کا ہی وقوع ہوگا **کَمْ مِنْ فِئَۃٍ** میں خود اس کی طرف ارشاد ہے کہ بعض جماعتیں مغلوب بھی ہوتی ہے اسی طرح **وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہ**، میں کفایت کا مطلب یہ نہیں کہ حسب مرضی سب کام ہوا کریں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو مناسب ہوگا اس کا ظہور ہوگا اور جو کچھ واقع ہوگا وہی مصلحت ہوگا، کارسازی ان کی شان ہے کہ "خواجہ خود روش بندہ پروری داند" جیسے بچہ کو طبیب کے سپرد کیا جاتا ہے اور اس پر کفایت ہو جاتی ہے اور تردد نہیں رہتا اس لئے کہ جانتے ہیں کہ جو اس کے لئے بہتر ہوگا وہی تجویز کرے گا، یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو بچہ چاہے وہ ملے گا، حلوا مانگے گا تو حلوا ملے گا اور مٹھائی چاہے گا تو مٹھائی ملے گی، بلکہ جو شیئ اس کو مفید اور نافع ہوگی خواہ اس کو گوارا ہو یا ناگوار، وہ ملے گی پس تردد تو تصور کے درجہ میں ہے اور سکون ہے حال کے

مرتبہ میں یعنی تردد اس معنی کر ہے کہ دیکھئے قضاوقدر سے کیا واقع ہوتا ہے اور سکون اس پر ہے کہ جو کچھ واقع ہوگا بہتر اور مناسب ہوگا، چنانچہ جوشق بھی ظاہر ہوتی ہے اس پر یہ حضرات اسی طرح مطمئن ہوتے ہیں جس طرح دوسری شق کے وقوع پر، دونوں حالتوں میں سکون کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا، ہاں طبعی رنج اور غم امر آخر ہے پس سکون اور حرکت دونوں اس طرح جمع ہوگئے۔

حاصل یہ ہوا کہ توکل یہ ہے کہ خواہ اسباب کو ترک کرے یا اختیار کرے ہر وقت اس پر نظر ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ چاہیں گے تو یہ کام ہوگا ورنہ نہ ہوگا اور سکون یہ ہے اگر کام نہ بھی ہو تو اس پر قلب کو راضی ہونا چاہئے کہ یہی بہتر تھا لیکن باوجود اس حالت کے اسباب کو پھر بھی نہ چھوڑے۔

دعاء بھی اسبابِ توکل میں شامل ہے

اور انہیں میں دعا بھی داخل ہے جس پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ امر متعین ہے کہ جو کچھ ہوگا بہتر ہوگا پھر ایک جانب کی درخواست اور دعا کرنے کے کیا معنی؟

بات یہ ہے کہ اس میں اظہار ہے افتقار (اور محتاجگی) کا اور اسی لئے دعاء کرتے وقت تردید (یعنی اگر مگر) نہ کرو، بلکہ جس جانب کو تم خیر سمجھتے ہو اور تمہارے علم میں وہ مصلحت ہے اس کو تعیین کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مانگو، ہاں جس کے خیر ہونے میں شبہ ہو وہاں قید لگادی جائے اور تنگ چشموں کے نزدیک اس میں بھی بظاہر سخت تعارض معلوم ہوتا ہے کہ مانگی ہوئی چیز بھی خیر ہو اور جب اس کے خلاف واقع ہو تو اس مانگی ہوئی چیز کے مقابل خیر ہو مگر فی الواقع تعارض کچھ نہیں اس لئے کہ جس جانب کو تم مانگ رہے ہو خیر (یعنی بھلائی) وہ تمہارے علم کے اعتبار سے خیر ہے اور جو واقع ہوگا وہ حقیقت کے لحاظ سے خیر (بھلائی) ہے[1]

[1] التوکل ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۰۹ تا ۱۱۱

دعاء پر بھروسہ کر کے اسباب وتدبیر کو ترک کرنا بڑی غلطی ہے

دعاء کے متعلق بھی لوگوں کو غلطی ہو رہی ہے (کہ محض دعاء کو کافی سمجھ کر کوشش وتدبیر نہیں کرتے حالانکہ) دعاء میں وہ تدابیر بھی داخل ہیں، کیونکہ (دعاء کی دو قسمیں ہیں) ایک دعاء قولی ہے ایک دعاء فعلی ہے (دعاء فعلی کا مطلب کوشش وتدبیر اختیار کرنا ہے) اور اگر دعاء کے صرف وہی معنی ہیں جو تم سمجھتے ہو تو پھر نکاح بھی نہ کرو اور کہہ دو کہ ہم کو پیر صاحب کی دعاء پر اعتماد ہے، اولاد کی تو ہمیں بڑی تمنا ہے مگر نکاح نہیں کریں گے، بس یوں ہی کسی طرح دعاء سے اولاد ہو جائے گی (کیا ایسا بھی عادۃً ممکن ہے ؟) دعاء کے معنی یہ ہیں کہ جتنی تدبیریں (اور ظاہری اسباب وکوششیں) ہو سکیں، سب کرو، اور پھر دعاء بھی کرو، اور محض تدبیر (وکوشش) پر بھروسہ نہ کرو، بھروسہ دعاء (یعنی اللہ ہی) پر کرو، یہ مضمون ایک حدیث شریف کا ہے "اعقل ثم توکل "یعنی اونٹ کو باندھ! پھر خدا پر بھروسہ کر! یہ ہے توکل [1]

عادت اللہ یوں ہے کہ محل دعاء اگر فعل اختیاری ہو اور اختیار سے کام نہ لیا جائے تو دعاء بھی قبول نہیں ہوتی، جامع صغیر میں ایک حدیث کا ٹکڑا ہے کہ اگر متاع واسباب قصداً غیر محفوظ جگہ میں رکھ دیا جائے تو منجانب اللہ اس کی حفاظت نہیں فرمائی جاتی یعنی اگرچہ حفاظت کی دعاء کرے، او کمال قال [2]

توکل وتفویض کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تدبیر ترک کر دو

(توکل وتفویض) کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو، کیونکہ (توکل و) تفویض ترک تدبیر کا نام نہیں، تدبیر بھی اسی کا حکم ہے جس کے لئے تم تفویض (یعنی توکل)

[1] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۳۲۷ [2] مکاتیب حکیم الامت ص ۱۱۲

کرر ہے ہو، بس تفویض یہ ہے کہ تدبیر کرو مگر اس پر نظر نہ کرو، اور اپنی تجویز سے نتیجہ کی کوئی شق متعین نہ کرو کہ یوں ہونا چاہئے۔[1]

اسباب وتدبیر سے ثمرات ونتائج مقصود نہیں اتباع شریعت اور حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے

(اسباب وتدابیر اختیار کرنے سے) ثمرات مقصود نہیں ہیں ،صرف رضاء حق (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے حکم کی پیروی) مقصود ہے، نہ مدرسہ مقصود ہے نہ طلبہ کی کثرت مطلوب ،نہ عمارت مقصود ہے ،صرف حق تعالیٰ کی رضامندی مطلوب ہے، اگر رضاء حق کے ساتھ یہ کام چلتے رہیں تو چلاؤ، اور اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق کام کرتے رہو، اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو۔

واللہ اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانی اور وساوس ختم ہو گئے ہیں اس علم سے اعمال میں کام لے کر دیکھو تو اس کی قدر ہو گی۔

مثلاً کسی کا بچہ بیمار ہوا تو دوا دارو کرو مگر ثمرہ متعین نہ کرو کہ یہ اچھا ہی ہو جائے بلکہ محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لئے علاج کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا یہ حق رکھا ہے کہ بیماری میں ان کی خدمت کرو (اس نیت سے) علاج کرو، (لیکن) ثمرہ پر نظر نہ کرو، اسی طرح مدرسہ جاری کرو اور رضاء حق پر نظر رکھو، یہ ثمرہ متعین نہ کرو کہ ہمارا مدرسہ ایسا ویسا ہونا چاہئے ، یہ دھن کہاں کی لگائی ، یہ دھن نہیں بلکہ گھن ہے، پھر وہ جس حال میں راضی رہیں تم خوش رہو، (اسی طرح دعوت وتبلیغ میں بھی سمجھنا چاہئے)[2]

---

[1] البدائع ص ۱۸۶ ابدیعہ ص ۶۹ [2] ارضاء الحق حصہ دوم ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۴۲

فصل

دنیا برائے دین مطلوب ہے

دنیا برائے دین بھی طاعت ہے

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّکُمْ (البقرہ آیت نمبر ۱۹۸)

تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ دنیا سے دین پر استعانت کرنا بھی طاعت ہے۔[۱]

زہد میں غلو کی ممانعت

وَمَالَکُمْ اَلَّا تَاکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ (الانعام آیت ۱۱۹)

اور تم کو کون سا امر اس کا باعث ہوسکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

فائدہ: روح میں امام ابوالمنصورؒ سے منقول ہے کہ بعضے مسلمان تقشّف و زہد کے سبب بعض طیبات (پاکیزہ اور حلال چیزوں) کو نہ کھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تو اس میں ممانعت ہے غلو فی الزہد کی، جیسے بعض جاہل صوفی کرتے ہیں۔[۲]

---

[۱] مسائل السلوک ص ۸۷ [۲] مسائل السلوک ص ۱۸۱

کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت زہد کے خلاف نہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لائے اور وہ اپنے باغ میں پانی پھیر رہا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پاس ایسا پانی ہو جو اس شب کو مشک میں رہا ہو (یعنی باسی پانی ہو تو لاؤ) ورنہ (یہی پانی جو باغ میں جاری ہے) منہ لگا کر پی لیں گے (روایت کیا اس کو بخاری نے)۔[1]

فائدہ: بعض اکابر سے مطاعم ومشارب (یعنی کھانے پینے کی چیزوں) میں توسع اور کسی قدر اہتمام اور تکلف منقول ہے، بعض خشک مزاج ان پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ نفس پروری اور بزرگی کے خلاف ہے اس حدیث میں باسی پانی (یعنی ٹھنڈے پانی) کی تلاش اور اہتمام مذکور ہے جس سے اس کا غیر مذموم ہونا ثابت ہوا بالخصوص منتہی کے لئے اور راز اس میں یہ ہے کہ بسا اوقات اس میں منعم حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی محبت بڑھتی ہے اور بعض اوقات مقصود اپنی احتیاج کا اظہار عملی ہوتا ہے اور یہ سب مقاصدِ سلوک میں سے ہیں غرض ترک لذات میں بعض خاص مصالح ہیں اور تناول لذات میں بعض خاص مصالح ہیں احوال کے اختلاف سے مختلف اوقات میں ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے۔[2]

مال ودنیا کی طبعی محبت زہد وتوکل کے خلاف نہیں

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کا خزانہ مفتوح ہو کر آیا تو سونے چاندی اور جواہرات کا بڑا انبار تھا آپ نے اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی:

خداوندا آپ کا ارشاد ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

[1] کتاب الاشربة، باب الکرع فی الحوض، حدیث: ۵۶۲۱، ابوداؤد، کتاب الاشربة حدیث: ۳۷۲۴، تیسیر الوصول ص ۱۹۹۔ [2] التکشف ص ۳۱۸

وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۔ (آل عمران پ۳)

کہ لوگوں کے دلوں میں خواہشوں کی محبت آراستہ کردی گئی ہے، جن میں عورتیں بھی ہیں اور اولاد بھی، اور سونے چاندی کے ڈھیر بھی اور گھوڑے نشان کردہ اور چوپائے اور کھیتی بھی۔

زُیِّــــنَ صیغہ مجہول ہے جس کا فاعل یہاں مذکور نہیں علماء میں اس کے فاعل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے بعض نے اس کا فاعل شیطان کو مانا ہے کہ شیطان نے ان چیزوں کی محبت قلوب میں آراستہ کردی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو فاعل مانا ہے، دونوں میں منافات کچھ نہیں دونوں صحیح ہیں کیونکہ تزیین کے دو درجے ہیں ایک وہ جو درجہ معصیت کی طرف مفضی ہو (یعنی ناجائز اور گناہ کی طرف لے جانے والا ہو) اس کا فاعل تو شیطان ہے اور ایک درجہ طبعی تزیین کا ہے (یعنی فطری طور پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی محبت رکھی ہے) جو کسی حکمت سے ودیعت رکھی گئی ہے، اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ طبعیات سب خدا کی پیدا کردہ ہیں، آخر آپ کو کھانے پینے کی محبت نہیں ہے؟ یقیناً ہے پھر طبعاً مال وزر کی محبت بھی ہو تو کیا حرج ہے اور جس طرح طبیعت کے درجہ میں طعام وشراب کی محبت قبیح نہیں، اسی طرح اس درجہ میں مال واولاد کی محبت بھی قبیح نہیں اب اللہ تعالیٰ اس کے فاعل ہوں تو کچھ اشکال نہیں ہاں جو درجہ مفضی الی المعصیت ہے (یعنی مال واولاد کی وہ محبت جو ناجائز کا ذریعہ بن جائے) اس کا فاعل شیطان ہے۔

غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مال کی محبت آپ نے ہمارے دلوں میں مزین کی ہے اس لئے ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ ہم کو مال سے محبت نہ ہو اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے ہم کو خوشی نہیں ہوئی، ہاں یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کی طرف منعطف (مائل) کردیجئے اور اس کو اپنے دین کے کام میں صرف کردیجئے۔

سبحان اللہ! یہ حضرات ہیں عارف کامل۔

یہ حکایت میں نے اسی واسطے ذکر کی ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ جس طرح لوگوں نے صبر کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ صورت شکایت کو بھی خلاف سمجھتے ہیں، اسی طرح ترکِ دنیا اور زہد کی حقیقت سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے لوگ مال کی محبت کو مطلقاً زہد کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ طبعی محبت زہد کے خلاف نہیں بلکہ خلافِ زہد وہ درجہ ہے جو معاصی کی طرف مفضی ہو، (یعنی گناہوں کا ذریعہ ہو)[1]

مال ودولت کی محبت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب ارشاد ہے آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ سے بے شمار مال ودولت لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ۔ الآیۃ۔ (آل عمران پ۳)

یعنی لوگوں کی نظر میں اپنی شہوتوں (خواہشات) کی محبت مزین کردی گئی ہے یعنی عورتوں، اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کردی گئی ہے، اور اے پروردگار جب آپ نے خود ہی کسی مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کردیا ہے تو یہ درخواست کہ ہمارے دل میں اس کی محبت ہی نہ رہے خلاف ادب ہے، اس لئے یہ درخواست ہی نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضاء کا ذریعہ بنادیجئے۔

تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آج کون عارف (اور بزرگ، زاہد) ہوگا، آپ نے مال کی محبت ختم ہوجانے کی دعاء نہیں کی کیونکہ مال کی محبت میں بھی حکمتیں ہیں۔[2]

[1] الفصل والانفصال ملحقہ تدبیر وتوکل ص ۱۹۲ [2] افناء المحبوب، ملحقہ تسلیم ورضاء ص ۳۹۳، ۳۹۴

مال وعزت کی ضرورت

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

(سورہ منافقون پ ۲۸)

(یعنی عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے)

جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہوگا وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا، عقلی طریقہ پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے نفع حاصل کرنا، اور نقصان سے بچنا، آدمی جو کچھ کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ یا نفع حاصل کرتا ہے یا نقصان سے بچتا ہے ، دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں ، اور اس کا طریقہ مال وعزت کا حاصل کرنا ہے ، کیونکہ مال تو فائدہ حاصل کرنے کے واسطے ہوتا ہے ، اور عزت نقصان سے بچانے کے لئے ، اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عزت اور مال پسندیدہ اور حاصل کرنے کے قابل چیزیں ہیں بشرطیکہ صحیح طریقہ سے ہوں ، شریعت کی حد میں رہ کر ہوں ، اور جو لوگ مال وعزت حاصل کرنے کی برائی کرتے ہیں ان کا مطلب مال کی محبت اور عزت کی محبت سے منع کرنا ہے ، اور محبت بھی ایسی جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو ، کہ ان کی محبت میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے۔[1]

مال کی اہمیت اور اس کی حکمت

میں سفیان ثوریؒ کا قول عرض کرتا ہوں جو انہوں نے مال کے بارے میں فرمایا ہے ، اور یہ وہ بزرگ ہیں جو دنیا اور دنیاداروں سے انتہا درجہ کی نفرت رکھتے تھے ، وہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس پیسہ ہو اسے چاہئے کہ اس کی قدر کرے ، اڑائے نہیں ، یہ حضرات

[1] وعظ العبرۃ ملحقہ ارشادات حکیم الامت ص ۴۶۳

مربیؒ تھے، حدود کے سمجھنے والے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ حلال میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کو فضول خرچ کیا جائے، اور آپ اس کی مصلحت بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر دراہم (مال ودولت) ہمارے پاس نہ ہوتے تو حکمراں ہم کو رومال بنالیتے اور پامال کرتے (یعنی جس طرح چاہتے استعمال کرتے) واقعی جس کے پاس مال ہوتا ہے اس پر حکمراں دست اندازی نہیں کرسکتے، مال والا بڑی آن بان سے رہتا ہے، اور اس کی وہ عزت ہوتی ہے جو بے پیسہ والے کی نہیں ہوسکتی، اس کو سر نیچا نہیں کرنا پڑتا، بھائی اسی واسطے مال بڑی قدر کی چیز ہے، حضرت سفیان ثوریؒ نے مال کی یہ حکمت بیان فرمائی۔

اب آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مال کیسی چیز ہے، کیا یہ خدا تعالیٰ کی نعمت نہیں ہے کہ جیسے غریب پر امیر لوگ دست اندازی کرسکتے ہیں (اپنا تابع بنالیتے ہیں) مال والے پر نہیں کرسکتے؟ مالداری ہی تو اس کا سبب ہے، بس ایسی چیز کو برباد کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔[1]

مسلمانوں کی کمزوری کا سبب افلاس بھی ہے

اس وقت جو مسلمان کمزور نظر آتے ہیں اور دب گئے ہیں، اس کا ایک بڑا سبب افلاس (وتنگ دستی بھی) ہے جس نے سب کے سامنے جھکادیا، اور پہلے بزرگوں پر قیاس نہ کرنا چاہئے، ان میں ایمانی قوت تھی، وہ افلاس (تنگ دستی) سے پریشان نہ ہوتے تھے، اور اس وقت دین کی قوت تو مسلمانوں میں ہے نہیں، اگر مال کی بھی نہ ہو تو سوائے ذلت کے اور کیا ہوگا۔[2]

آج کل پیسہ کی قدر کرنا چاہئے اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی انسان بہت سی آفتوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، دین فروشی بھی اسی آفت کی ایک قسم ہے، دین کی حفاظت کے لئے آج کل یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے پاس کچھ رقم جمع رکھے۔[3]

[1] احکام المال ملحقہ التبلیغ ص ۱۰۷ [2] ارشادات حکیم الامت ص ۴۹۳ [3] انفاس عیسیٰ ص ۳۰۸

بقدرضرورت مال جمع کر کے رکھنے کی ضرورت

بعض طبیعتوں بلکہ اکثر لوگوں کے لئے اس زمانہ میں بقدرضرورت مال جمع کرنا ضروری ہے، ان کا تقویٰ مال ہی تک رہتا ہے اگر مال ہے تو نماز روزہ بھی ہے ورنہ کچھ نہیں۔[1]

میں آج کل مسلمانوں کو خالی ہاتھ رہنے کی رائے نہیں دیتا بلکہ وہ رائے دیتا ہوں جو حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ والوں کو دی تھی، فرمایا کرتے تھے آج کل کسی کے پاس کچھ دینار (روپیہ پیسہ) ہوں تو ان کی قدر کرے، کیونکہ پہلے تو ایسا زمانہ تھا کہ روپیہ پیسہ نہ ہونے سے دین پر اندیشہ نہ ہوتا تھا اور اب وہ زمانہ ہے کہ روپیہ پیسہ نہ ہونے سے دین پر اندیشہ ہے، اور روپیہ پیسہ پاس ہو تو دین کی حفاظت رہتی ہے، جب حضرت سفیان ثوری ہی کے زمانہ میں یہ حالت ہو چلی تھی تو اب تو اس کی اور زیادہ ضرورت ہے۔[2]

دنیا کی حقیقت

دنیا کہتے ہیں خدا سے غافل ہونے کو، نہ کہ مال ودولت اور بیوی بچوں کو، دنیا کا اطلاق دو معنی پر آتا ہے ایک تو دین کے مقابلہ میں دنیا بولی جاتی ہے جس کے معنی بے دینی کے ہوتے ہیں، اور ایک آخرت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے جس کے معنی حیات دنیا (یعنی دنیاوی زندگی) کے ہوتے ہیں اور قرآن وحدیث میں دنیا کا استعمال دونوں معنی میں آیا ہے۔

جو دنیا آخرت کے مقابلہ میں ہے اس کی دو قسمیں ہیں مذموم (بری) یعنی لہولعب، غیر مذموم (جو بری نہ ہو) یعنی دنیاوی ساز وسامان ومال۔

---

[1] ارشادات حکیم الامت ص ۴۹۲ [2] تجدید معاشیات ص ۳۳۰

پس وہ ہر حال میں مذموم نہیں، بلکہ مذموم وہ (دنیا) ہے جو دین کے مقابلہ میں ہو، جیسے **حُبُّ الدُّنْيَا رَاسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (بيهقى باب الزهد)** کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، یہاں دنیا دین کے مقابلہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ بے دینی کی باتوں سے محبت نہیں کرنا چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچوں سے محبت نہ کرے کیونکہ یہ بے دینی کی چیزیں نہیں ہیں [1]

دنیا مذموم ومحمود کا معیار

وَمَاهٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ . (عنکبوت پ۲۱)

(اور نہیں ہے دنیا مگر لہو لعب) یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کے لئے دو لفظ اختیار کئے ہیں، ایک لہو اور ایک لعب، اور دونوں کے مفہوم میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ لہو کہتے ہیں شغل کو اور لعب کہتے ہیں عبث (بے فائدہ عمل) کو، اسی سے معلوم ہوا کہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس میں دو صفتیں ہیں ایک تو لہو ہونے کی کہ یہ لوگوں کو اپنی طرف لبھاتی اور مشغول کرتی ہے، دوسرے لعب یعنی عبث ہونے کی کہ اس میں مشغول ہونا عبث یعنی بے نتیجہ (بے فائدہ) ہے، اس پر کوئی لائق اعتبار ثمرہ مرتب نہیں ہوتا جیسے بچوں کا کھیل کہ اس پر بھی کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا مطلقاً مذموم نہیں بلکہ دنیا وہ مذموم ہے جس میں محض لہو ولعب ہو یعنی جو بے نتیجہ ہو اور اس کا کوئی مفید ثمرہ نہ ہو، اور جس پر ثمرہ مرتب ہو وہ حقیقت میں دنیا ہی نہیں، دنیا اسے نہیں کہتے کہ روپیہ پیسہ وغیرہ، بلکہ دنیا تو درحقیقت لہو ولعب کا نام ہے، جہاں یہ نہ ہو دنیا بھی نہ ہوگی، اور جہاں یہ ہو وہاں دنیا ہوگی، گو ظاہری سامان کچھ نہ ہو [2]

---

[1] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص۲۹۲ [2] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص۲۹۰،۲۹۲

دنیا کمانا دین کے منافی نہیں اور دین اس میں رکاوٹ نہیں

عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا کہ دیندار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تجارت کا شتکاری وغیرہ سب کو بالائے طاق رکھ دے اوران کاموں میں مشغول ہوکر دیندار بننا مشکل ہے کیونکہ دین ان کاموں میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے، سوخوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے، دین ہرگز دنیا کی فلاح اور ترقی کے لئے مانع اور روکاوٹ نہیں ہے، اور دیندار بن کر بھی تجارت وزراعت ہوسکتی ہے، مگر اس کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ ذریعہ معاش دین کے خلاف نہ ہوتب تو وہ دنیا نہیں ہے، بلکہ عین دین ہے کیونکہ حدیث میں ہے **کسب الحلال فریضة**(طبرانی بیهقی) (حلال روزی کمانا فرض ہے)اس صورت میں تجارت وزراعت بھی باعث ثواب ہے بلکہ ان کاموں میں مشغول ہوکر دین کی پابندی کرنا یہ ذکر وشغل سے افضل ہے۔

(غور کرنے کی بات ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم (حلال کمانے کو) فرض شرعی فرماتے ہیں جس کے ترک پر آخرت کا عذاب ہوگا، الغرض بقدر ضرورت دنیا کمانا ممنوع نہیں البتہ اس کی محبت اور دل میں اس کی وقعت ممنوع ہے۔[1]

حبّ ِ دنیا اور کسبِ دنیا کا فرق

حدیث میں ہے **کسب الحلال فریضة بعد الفريضة**[2]

(یعنی حلال روزی کمانا فرض ہے) پس حلال روزی کمانا تو فرض ہے، اس سے کوئی نہیں منع کرتا، ہاں دنیا کی محبت سے منع کیا جاتا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

حبِّ الدنیا راس کل خطيئة (بیهقی باب الزهد)

---

[1] سبیل النجاح، ملحقہ دین ودنیا ص ۶۰۹ [2] طبرانی، بیهقی ،کشف الخفا ص ۱۰۲ ج ۲

دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

ایک تو ہے کسبِ دینا (یعنی دنیا کمانا) اور ایک ہے حبِّ دنیا (یعنی دنیا کی محبت) کسب دنیا تو جائز ہے اور بعض صورتوں میں واجب اور فرض بھی ہے، اور حبِّ دنیا حرام ہے، ایک دوسرے کو لازم نہیں۔

دنیا کمانے کے لئے نہ دنیا کی محبت لازم اور نہ دنیا کی محبت کے لئے دنیا کمانا لازم، کیونکہ دنیا کمانا اس وقت بھی ممکن ہے کہ معاش حاصل کرے مگر اس کے ساتھ شغف نہ ہو، اسی طرح دنیا کی محبت اس صورت میں بھی ہوسکتی ہے کہ کمائے بھی نہیں مگر اس کے ساتھ شغف ہو، مثلاً کوئی شخص دنیا نہ کماتا ہو مگر دین سے غافل بھی ہو تو اس کو دنیا کی محبت حاصل اور دنیا کی کمائی حاصل نہیں، کیونکہ دین سے غفلت ہونا یہی حب دنیا ہے، اور بعض جگہ دونوں جمع ہوجاتی ہیں یعنی کسب دنیا بھی اور حب دنیا بھی، مثلاً ایک شخص دنیا بھی کماتا ہے اور دین سے بھی غافل ہے۔

اور بعض جگہ دونوں نہیں ہوتیں نہ کسب دنیا نہ حبِ دنیا، مثلاً کوئی شخص دنیا نہیں کماتا اور دین سے غافل نہیں، غرض حبِ دنیا اور کسب دنیا ایک دوسرے کو لازم نہیں، بعض لوگ محبت کرنے والے ہیں کمانے والے نہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی کمانے والا ہو اور محبت کرنے والا نہ ہو، سو ہم حبِ دنیا سے منع کرتے ہیں باقی کسب دنیا تو خاص قیود کے ساتھ ضروری ہے۔[1]

حضرات انبیاء علیہم السلام سے دنیوی کاروبار صنعت (حرفت) کھانا پینا نکاح وغیرہ سب ہی کچھ ثابت ہے، غرض دنیوی کاروبار دین کے منافی نہیں بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرہ میں ہو۔[2]

---

[1] خیر المال للرجال التبلیغ ص ۶۴ ج ۲ [2] سیرت الصوفی ملحقہ حقیقت تصوف وتقوی ص ۶۰۶

مال کمانے کا شرعی حکم

آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ شرعی فتوے سے تجارت کرنا فرض کفایہ ہے، اسی طرح زراعت (کاشتکاری کرنا) بھی فرض کفایہ ہے، کیونکہ زندگی گذارنا ان چیزوں پر موقوف ہے اور ضروریاتِ معاش کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ وہ ہے کہ بعض لوگوں کے کر لینے سے بقیہ لوگوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ علماء دنیا کمانے سے منع کرتے ہیں، بھلا فرض کفایہ سے کون منع کرسکتا ہے۔

پس دنیا کی محبت ہونا تو کسی کے لئے جائز نہیں باقی دنیا کمانے میں کس قدر تفصیل ہے، یعنی ایک تو وہ شخص ہے جس کو دنیا کمانا ضروری ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جن کے لئے دنیا کمانا ضروری نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کو نہ کمانے کی حالت میں پریشانی ہو تو پریشانی کی حالت میں دنیا کمانا ضروری ہے، اس کو چاہئے کہ کسبِ دنیا کرے۔

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ ان کے دنیا میں مشغول نہ ہونے سے کسی کا نقصان نہیں نہ ان کا نہ ان کے اہل وعیال کا، سو یہ لوگ اگر دنیا نہ کمائیں تو کچھ حرج نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر وہ دنیا میں مشغول ہوں تو دین کی خدمت نہ کرسکیں ان کے لئے دنیا کمانا مناسب نہیں، بشرطیکہ نہ کمانے سے پریشانی میں نہ پڑیں[1]۔

---

[1] خیر المال للرجال التبلیغ ص ٦٦ ج ٢

ضرورت کے وقت رزق حلال کمانا ذکر وشغل سے بھی افضل ہے

دنیا کے کاموں میں مشغول ہوکر دین کی پابندی کرنا یہ ذکر شغل سے بھی افضل ہے، چنانچہ ایک بزرگ کا انتقال ہوا جو بہت بڑے زاہد اور صوفی تھے انتقال کے بعد کسی نے ان کوخواب میں دیکھا کہ حضرت آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا مجھے بخش دیا گیا مگر بھائی ہمارے پڑوس میں جو ایک مزدور بال بچوں والا رہتا تھا وہ ہم سے افضل رہا (یعنی آگے بڑھ گیا) کیونکہ وہ رات دن اپنے بال بچوں کے لئے محنت مزدوری کرتا اور ذکر وشغل کم کرتا تھا مگر ہر وقت اس کی تمنا یہ تھی کہ فرصت ملے تو میری طرح ذکر میں مشغول ہو، حق تعالیٰ نے اس نیت کی برکت سے اس کو وہ درجہ عطا کیا جو مجھے بھی نصیب نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حلال کمائی کے ساتھ احکام الٰہیہ کی پابندی کرنا ذکر وشغل سے بعض دفعہ افضل ہوجاتا ہے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ سب کے لئے یہی طریقہ افضل ہے، اور بس ہر شخص اسی طریقہ کو اختیار کرلے، اصل بات یہ ہے کہ (لوگوں کے حالات) مصلحتیں مختلف ہوتی ہیں، کسی کے لئے ایک طریقہ میں مصلحت ہے اور کسی کے لئے مفسدہ ہے۔

حق تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے کہ اس کو اسی سے ترقی اور وصول ہوتا ہے، کسی کو اشتغال بالکسب (یعنی دنیاوی کاموں میں لگے رہنے) سے یہ دولت ملتی ہے اور کسی کو ترکِ اسباب سے۔

پس جس کے لئے جو طریقہ حق تعالیٰ تجویز کردیں (یعنی اس کے لئے جیسے حالات پیدکردیں) وہ اسی کو اختیار کرے اور اسی پر راضی رہے اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دینا چاہئے (بلکہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے) اگر وہ بے فکری دیں تو بے فکر رہو،

اور اگر فکروں میں مبتلا رکھیں تو اسی میں خوش رہو کیونکہ فکر وتشویش (اور دنیاوی پریشانیوں) سے بھی ترقی ہوتی ہے اور ثواب بڑھتا ہے، طلب اسی کا نام ہے اور اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

بعض لوگ اپنے لئے ایک خاص حالت تجویز کر لیتے ہیں کہ ہم اس حال میں رہیں تو اچھا ہے پھر جب اس کے خلاف دوسری حالت ہوتی ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔

الغرض اگر کوئی شخص تجارت کاشتکاری اس طرح کرے کہ وہ دین کے موافق ہو اور کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو تو یہ عین ثواب ہے اور اس حالت میں یہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے، ہاں اگر کوئی بات دین کے خلاف ہو تو البتہ یہ دنیا ہے جو دین کو مضر ہے پس یہ خیال غلط ہے کہ دین کے ساتھ دنیا کے کام نہیں ہو سکتے اور دین کے ساتھ دنیاوی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔[1]

[1] سبیل النجاح ملحقہ دین دنیا ص ۶۰۹

فصل

دعوت وتبلیغ سے متعلق چند قابل توجہ امور

بعض مبلغین کی بے توجہی وکوتاہی

اس موقع پر ایک غلطی کا بیان کرنا بہت ضروری ہے جو بے علم اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی ذات بالکل بے پرواہ ہے وہ چاہے تو ایک نکتہ میں بخش دے اور چاہے تو ایک نکتہ میں جہنم بھیج دے، اور یہ بات اس طرح سے کہتے ہیں جس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ تعالیٰ خدائے تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون نہیں بلکہ یوں ہی اناپ شناپ بے تکے طور پر جو چاہتے ہیں کر دیتے ہیں، اس قسم کے مضامین سننے سے اکثر لوگ بالکل مایوس ہوجاتے ہیں اور عبادت وریاضت سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ خدا جانے کس نکتہ (اور معمولی سی بات) پر اچانک پکڑ ہوجائے اور ساری محنت برباد ہی ہوجائے اسی طرح اگر اکثر لوگ خوب جی بھر کر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون ہی نہیں ایک نکتے پر عذاب نہ ثواب کا مدار ہے تو اپنی خواہشات کو کیوں ترک کریں اور خواہ مخواہ کی مصیبت کیوں اختیار کریں ممکن ہے اسی میں سے کوئی نکتہ پسند آجائے کہ اس پر نوازش ہوجائے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے ثواب کا بھی ایک قانون ہے، عذاب کا بھی ایک قانون مقرر ہے، ثواب کا کام تو یہی ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الایة (پ۴ آل عمران)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف دوڑ و جس کو متقی لوگوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے تو جو شخص اس راستہ پر چلے اور اس مقرر شدہ قانون پر عمل کرے گا وہ مغفرت حاصل کرے گا جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ محروم رہے گا، پس معلوم ہوا کہ مغفرت کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور اگر ہم چاہیں تو اس کو حاصل کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مغفرت و رحمت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے ورنہ اگر اس کو اختیار میں نہ مانا جائے تو آیت سَارِعُوْا کے کوئی معنی نہیں ہوں گے کیونکہ تکلیف مالا یطاق (یعنی ایسی بات کا مکلّف بنانا جو انسان کے بس میں نہ ہو) محال اور نص کے خلاف ہے، اور یہاں اس کا حکم ہوا ہے تو ضرور وہ تحت الاختیار ہے (یعنی ہمارے اختیار میں ہے)[1]

بعض مبلغین کی نافہمی وکوتاہی

بعض غیر محقق واعظین (ومبلغین) کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وَمَامِنْ دَآ بَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔۔۔۔(اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر بسنے والی مخلوق کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے) تو پھر لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے۔

خوب یاد رکھو! یہ الزام بھی غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں، نہیں ضرور سب کا ایمان ہے اور ایمان ہونے کے باوجود پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدے دو قسم کے ہیں ایک مبہم اور ایک معیّن، اللہ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا اور کہاں سے

[1] احکام العشر الاخیرہ ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ ص ۳۸۸،۳۸۶

ملے گا، اور کس طریقے سے ملے گا، اور کتنا ملے گا، تو پریشانی ابہام کی وجہ سے ہے اور ساتھ ہی اس مبہم وعدہ پر پورا یقین ہے کہ وقت مقرر پر ضرور ملے گا۔

بعض واعظین (ومبلغین) اسی الزام کو مؤکد (اور ثابت) کرنے کے لئے ایک مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کوئی دوست دعوت کر دے تو اطمینان ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں؟

یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خوامخواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے، بخدا اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز کسی کو پریشانی نہ ہوتی، اور اگر دعوت میں بھی وقت معین نہ کیا جائے، اور مبہم طور سے کہہ دیا جائے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا۔

یہاں اتنی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا، اس پر ایمان ہے، شریعت میں غلو نہ کرنا چاہئے، جس قدر جو بات ثابت ہو اسی پر رہنا چاہئے۔

اہل کتاب کو ارشاد ہے **یَااَھْلَ الْکِتَابِ لاَ تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ** یعنی اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو، فروع (احکام) میں ان کے غیر مکلّف ہونے کے باوجود ان کو یعنی اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے تو ہم تو بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مکلّف ہوں گے۔[1]

ایک اور غلطی

اسی طرح بعض غیر محقق واعظ (ومبلغ) ایسی چھری پھیرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے چلے جاتے ہیں، چنانچہ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور یہ آیت پڑھ دیتے ہیں **وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی**۔

(پ۵ سورہ نساء)

---

[1] وعظ الجناح ملحقہ مفاسد گناہ ص۱۰۴

یہ آیت منافقین کی شکایت میں (نازل ہوئی ہے جس کا مطلب یہ) ہے کہ وہ نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اس حالت میں کھڑے ہوتے ہیں کہ کاہل (اور سست) ہوتے ہیں۔

(یاد رکھئے!) منافقین میں کسل اعتقادی تھا یعنی ان کو فرض نہ سمجھنے کی وجہ سے کسل تھا اور مسلمانوں میں کسل (سستی) طبعی ہے، فرض ہونے میں تردد نہیں۔

منافقین میں کسل کا سبب اعتقاد کی سستی ہے اور مسلمانوں میں کسل (سستی) کا سبب طبیعت ہے، مسلمان کیسا ہی ضعیف الایمان ہو، اس کو کسل اعتقادی کبھی نہ ہوگا، تو یہاں مطلق کسل مراد نہیں، لیکن ہمارے واعظین (ومبلغین) سب کو ایک لکڑی سے ہانک دیتے ہیں۔[1]

وعظ وتبلیغ کا غلط طریقہ

بعض واعظین (ومبلغین) سب سے ایک طرف سے ایک ہی طرح کی بات کہنا شروع کردیتے ہیں، ان کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب (خوف اور ڈروالے ہی مضامین) ہوتے ہیں انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا، ان کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں، تمہارا روزہ کچھ نہیں، تمہارا حج بیکار، تمہاری زکوٰۃ فضول، اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے روزہ ونماز اور اعمال کی اصلاح کرنے لگیں، بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ برا بھلا عمل کرتے تھے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ان واعظوں کے بیان کا یہی اثر ہوتا ہے جو محض ترہیب ہی ترہیب (ڈرانا ہی ڈرانا) بگھارتے ہیں اور اس کی تائید میں پرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا، فلاں بزرگ نے جوتہ پہننا چھوڑ

[1] وعظ الجناح ملحقہ مفاسد گناہ ص۱۰۳

دیا تھا، فلاں بزرگ نے تمام عمر میں اتنے جَو کھائے تھے، تم کیا کر سکتے ہو، تمہاری کیا نماز ہے، تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے، کیا شغل ہے؟

بس سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم تو ایسے ہونے سے رہے، اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہٰذا قصہ ختم کردو، کچھ بھی نہ کرو۔

خلاصہ یہ کہ مخاطبین کی رعایت کرنا نہایت ضروری اور لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں کہ جب بیان ہو تو ترہیب ہی کا ہو، جیسے آج کل کے واعظین (ومبلغین) کی عادت ہے۔[1]

عورتوں کے مجمع میں وعظ وتبلیغ کرنے میں بے احتیاطی

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی دوزخی کہا جائے گا تو دو خرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی یا کریں گی مگر دل بجھا ہوا رہے گا حتیٰ کہ مایوس ہو جائیں گی اور خدا تعالیٰ سے مایوسی کفر ہے، یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر بیٹھتے تو ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس سے ایک مومن کو کافر یا قریب بکفر بنا دیا، اس کا دل شکستہ کر دیا، حتیٰ کہ وہ بے چاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگتی ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے، کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں؟ کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں؟ روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں، غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں، اگر ان کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے تو کیا مردوں کے سب اعمال باکار ہیں اور حقیقت پہ نظر کی جائے تو عمل تو سب ہی کے بیکار ہیں، حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا، پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے اعمال کو باکار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بیکار، اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے بیکار اعمال قبول ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے تو دوسرے کو کیوں نہیں ہو سکتی؟

[1] وعظ کساء النساء ملحقہ التبلیغ ص ۱۹ ج ۷

اول تو نجات کا اصلی مدار رحمت پر ہے، مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں، عورتیں بھی عمل کرسکتی ہیں اور کرتی ہیں، سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا کیسے درست ہوسکتا ہے، واعظوں (اور مبلغوں) کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ ہمارے اعمال بالکل نکمّے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ بھی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہاردی اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں، میں کہتا ہوں کہ یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے۔

نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے تمہاری نماز لنگڑی لنجی کیسی بھی سہی اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔

عورتو! ہمت نہ ہارو ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو، حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہوگئی جب تم کو نماز کی توفیق دے رہا تھا[1]

ہمارے اعمال بھی قابل قدر ہیں

تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا؟ یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کر تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کیوں کہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے، اور ایک حیثیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو توفیق دی ہے اس معنی کر یہ قول صحیح نہیں، کیوں کہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے، اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، نماز لنگڑی لنجی ہو، اس حیثیت سے کہ عطیۂ خداوندی ہے، بہت بڑی نعمت ہے، اگر اس کی بھی توفیق نہ ہوتی تو کیا کرتے۔

اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک چڑھا کر کھانا کفرانِ نعمت (یعنی نعمت کی ناشکری اور ناقدری) ہے کیوں کہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا، اب

[1] التبلیغ ص۲۴ ج ۷

وعظوں نے ایک حیثیت کو غائب کردیا ہے، ایک پر نظر رکھی، لہٰذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا، اور تمہارا روزہ کیا، واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی دو حیثیتیں ہیں، اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔؟[1]

تقویٰ کے متعلق غلو اور بعض مبلغین کی سخت غلطی

بہت سے لوگ تقوی میں مبالغہ کرتے ہیں اور اسی کو استقامت سمجھتے ہیں اور اسی کو محمود سمجھتے ہیں اور بظاہر یہ محمود معلوم بھی ہوتا ہے مگر یہ محمود نہیں کیونکہ مبالغہ کی وجہ سے کسی وقت یہ شخص مایوس بھی ہوجاتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک تقویٰ کا جو اعلیٰ درجہ ہے اس کا حاصل ہونا دشوار ہے اور ادنیٰ درجہ کو یہ کافی نہیں سمجھتا اس لئے اخیر میں اس کو مایوسی ہوجاتی ہے جس کا انجام تعطل (یعنی کام کو چھوڑ بیٹھنا) ہے۔

مثلاً بعض واعظوں سے لوگوں نے تقویٰ کے قصہ سنے ہوں گے اور ہم نے بھی بچپن میں ایسے قصے دیکھے ہیں ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ طعام حلال کی تلاش میں کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہا میں آپ کے پاس طعام حلال کی طلب میں آیا ہوں، یہ سن کر وہ بزرگ رونے لگے اور کہا کہ اب تک تو میرا کسب (ذریعہ معاش) حلال تھا لیکن اب نہیں رہا ایک دن میرے بیل دوسرے شخص کے کھیت میں چلے گئے تھے، اس کی مٹی بیلوں کے پیر کو لگ گئی اور میرے کھیت میں مل گئی، اب مجھے شبہ ہوگیا ہے۔

ایسے قصے سن کر لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ بس تقویٰ بہت دشوار ہے، حالانکہ یہ قصہ شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی، عقل کے خلاف تو اس لئے کہ بیل کے پیر کو جو مٹی لگ جاتی ہے وہ تھوڑی دور چلنے سے جھڑ جاتی ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں مل گئی ہو، پھر اگر دوسرے کے کھیت کی مٹی

[1] التبلیغ وعظ کساء النساء ص۲۶ ج ۷

ان کے کھیت میں مل گئی ہوتو ایسے ہی ان کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں جا ملی ہوگی تو برابر سرابر معاملہ ہوگیا، پھر اگر اتنی مٹی سے شبہ ہوجایا کرے تو چاہئے کہ جانوروں کو ہر وقت بند رکھا جائے، کہیں چلنے پھرنے نہ دیا جائے حالانکہ جانور بند نہیں رہ سکتے۔

اور شریعت کے خلاف اس لئے ہے کہ حاملانِ شریعت نے ایسے مبالغہ کو قابل تعزیر (مستحق سزا) سمجھا ہے، مثلاً ایک دانہ گندم (گیہوں) کی تعریف وتشہیر کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے؟ تو فقہاء کہتے ہیں کہ اِنَّــہٗ یُعَـزَّر کہ اس شخص کو سزائے تعزیر دی جائے کیونکہ شریعت نے اس قلیل مقدار کو قابل تعریف اور داخل لقطہ نہیں بنایا کیونکہ یہ مال نہیں، اور یہ شخص اس کو لقطہ بناتا ہے گویا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرتا ہے۔

اسی طرح اگر بیل کے پیر کو مٹی لگ جائے تو کوئی قیمتی چیز نہیں چنانچہ اتنی مٹی کی بیع جائز نہیں اور جب قیمتی نہیں تو اس کا ضمان بھی نہیں، پھر اس کے کھیت میں ملنے سے شبہ کیوں ہوگیا؟ اور اگر بالفرض ضمان بھی لازم ہوتا تو اس کا ضمان ادا کر دینا کافی تھا، تم نے اپنے کھیت میں سے اتنی ہی مٹی دوسرے کے کھیت میں ڈال دی ہوتی، اس سے کھیت کا غلہ اور پیداوار کیوں حرام ہوگیا؟

پس یا تو یہ قصہ موضوع (گڑھا ہوا) ہے یا یہ لوگ اہل حال ہیں جو معذور ہیں یا وہ شریعت سے ناواقف ہوں گے اس لے ایسے اقوال حجت نہیں اور واعظوں کو ایسے قصے بیان کرنا جائز نہیں۔

اس قسم کے قصے سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ بہت دشوار ہے اور جب تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ خالص حلال نہیں مل سکتا تو جب حرام کھانے سے مفر نہیں تو تھوڑا کھایا تب کیا، اور زیادہ کھایا تب کیا بس اب بے احتیاطی شروع ہوگئی، اول ایک بے احتیاطی ہوئی پھر دوسری پھر تیسری، تو پہلے شبہات سے بچنے کا اہتمام تھا، اب حرام صریح سے باک نہیں، یہ انجام ہے مبالغہ اور غلو کا، اس لئے شریعت نے غلو سے منع کیا

ہے قرآن میں بھی امر ہے **لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ** یعنی اپنے دین میں غلو نہ کرو اور احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت ہے **مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ** ۔[۱]

کیونکہ اس میں حدود سے تجاوز ہے اور حدود سے تجاوز کرنا طاعت نہیں بلکہ معصیت ہے، شریعت نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں۔

ایسا تقویٰ نہ اختیار کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جاؤ یعنی ایسا غلو نہ کرو کہ ایسا تقویٰ کرنے لگو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا تقویٰ نہ کیا ہو، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل تو یہ آیا ہے کہ **ماخیر رسول الله صلی الله علیه وسلم بین امرین الا اختار ایسرهما مالم یکن اثما الخ** ۔[۲]

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک امر میں دو راستوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ سہل کو اختیار فرماتے تھے، یعنی طرق مقاصد میں (یعنی اصل مقصود کے ذرائع اور وسائل میں) مشقت کو اختیار نہ فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نفس پر مشقت ڈالنا مطلقاً محمود نہیں ۔[۳]

یہ وہ زمانہ ہے کہ آج کل مشتبہ چیز کو حلال کیا جاتا ہے نہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے، بس یہ معیار یاد رکھو! جس کو فقہی فتویٰ حلال کہہ دے بس وہ حلال ہے ۔[۴]

---

[۱] المستدرک علی الصحیحین للحاکم حدیث ۲۳۴۵
[۲] مسند احمد، سنن کبریٰ بیہقی، جامع الاصول ص ۲۴۸ ج ۱۱
[۳] الاستقامت ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۴۲۰
[۴] التبلیغ ص ۶۷ ج ۱۰

فصل

علماء کی اتباع اوران کے ساتھ مل کر کام کرنے کی ضرورت

اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور خدا کو راضی کرنا چاہے اس کے لئے اتباع علماء کے سواء کوئی صورت نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی ہے، گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی حیات ہی ہے، مگر حیات صوریہ کے مقابلہ میں اس کو وفات کہنا ضرور صحیح ہے، البتہ اللہ تعالیٰ حیّ لا یموت ہے، مگر اللہ تعالیٰ سے انبیاء کے علاوہ بلاواسطہ کوئی مستفید نہیں ہوسکتا، اور ہم تو صحابہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلاواسطہ مستفید نہیں ہوسکتے، تو اب بجز اتباعِ علماء کے لئے دین پر چلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔

مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں کو آج کل اتباع علماء سے عار آتی ہے، بعض لوگوں کو اتباع ائمہ (یعنی مجتہدین کی اتباع) سے بھی عار آتی ہے۔[1]

آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علماء کو اول تو آگے کرتے ہی نہیں۔

صاحبو! اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو علماء کی اتباع کرو، ان کو متبوع بناؤ، تابع نہ بناؤ، ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ان میں انتخاب کرلو، جو نا قابل ہوں ان کا اتباع نہ کرو اور جو قابل ہوں ان کو مقتدا بناؤ کیونکہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہوجاتا، بلکہ علم دوسری چیز کا نام ہے، یعنی صحبت اہل اللہ۔[2]

[1] اتباع علماء ص ۳۴۸ [2] التواصی بالحق ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۱۹۲

عالم حقانی کی شان

یاد رکھو! جو عالم حقانی ہوگا وہ دین کے معاملہ میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا نہ کسی کی موافقت ومخالفت کی پرواہ کرے گا، وہ خدا کی رضاء کے سامنے تمام دنیا پر لات ماردے گا، اگر سارا عالم بھی ان کے خلاف ہوجائے تب بھی وہ شریعت سے تجاوز نہ کرے گا، چاہے اس میں اس کی عزت ہو یا ذلت ہو۔[1]

علماء کی ماتحتی میں کام کرنے کی ضرورت

جو علماء احکام کے جاننے والے ہیں، اور بے غرض ہیں ان کو مقتدا بناؤ، ان کو تابع نہ بناؤ، تبلیغ کے کام میں ان کو آگے کرو، تم ساتھ ساتھ رہو، اور ان کے مشورہ سے ہر کام کرو، پھر کبھی تو وہ خود (تبلیغ میں) جائیں گے اور کبھی وہ خود نہ جائیں گے، بلکہ تم کو بھیجیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو غزوہ میں خود تشریف لے جاتے تھے اور کبھی ایک شخص کو سردار (امیر) بنا کر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجتے تھے، یہ نظیر ہے (شریعت کے مطابق) کام کرنے کی۔[2]

یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ علماء خود ہی تبلیغ کے لئے جائیں، جیسا کہ عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ علماء کے ذمہ ہے کہ وہ تمام ملک کا اور تمام دیہاتوں کا دورہ کریں، سو یاد رکھو اس طرح کام نہیں ہوسکتا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔ (سورہ توبہ پ۱۱)

[1] التواصی بالحق ص۱۹۳ [2] التواصی بالحق ص۱۹۵

یعنی جہاد کے لئے سب مسلمانوں کو نہیں جانا چاہئے بلکہ ایک جماعت جائے تا کہ باقی لوگ دین کا علم حاصل کریں، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک ہی طرف نہ جھکیں، بلکہ ایک بڑے فرقہ (بڑی جماعت) میں سے چھوٹی سی جماعت اس کام کے لئے جائے، باقی لوگ فقہ اور دین حاصل کریں۔[1]

علماء مبلغین ومصلحین کی سختی برداشت کرنا

مجھے عوام سے شکایت ہے کہ اگر علماء ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں تو ان کو اس سے ناگواری کیوں ہوتی ہے؟ آخر وہ اطباء (ڈاکٹروں) کے نخرے بھی اٹھاتے ہیں، اور ان کی سختی کو ہر طرح برداشت کرتے ہیں، کیوں؟ محض اس لئے کہ صحت مطلوب ہے اور مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے سختی اور دشواری سب کچھ گوارہ ہوا کرتی ہے، پھر کیا دین کی صحت آپ کو مطلوب نہیں؟ اگر مطلوب ہے تو اطباء باطن (علماء ومشائخ) کی سختی اور دشواری بھی ناگوار نہ ہونی چاہئے۔

صاحبو! اگر کسی کی اشرفی (سونے کا پیسہ) کھوگئی ہو، اور ایک آدمی کے پاس اس کا پتہ ملے اور تم اس سے مانگنے جاؤ، اور وہ زور سے اس کو تم پر دے مارے کہ جالے جا، تو اس سختی کی وجہ سے اس اشرفی کو آپ یہ کہہ کر دوبارہ پھینک دیں گے کہ اس طرح دینے سے ہم نہیں لیں گے؟ پھر اگر کوئی اچھی بات بتلا دے، گو سختی ہی سے کہتا ہو، اس پر آپ ناک منھ کیوں چڑھاتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اشرفی تو مطلوب ہے، دین نہیں مطلوب۔

صاحبو! اگر آپ کسی حاکم کے پاس جائیں اور وہ بات چیت میں سختی کرے مگر فیصلہ اس کے موافق کر دے تو تم اس کی تعریف کروگے یا شکایت؟

---

[1] التواصی بالحق ص۱۹۵

مشاہدہ ہے کہ اس صورت میں حاکم کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور اس کی سختی میں حکمتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حاکم نے ہمارے ساتھ ابتداء میں سختی کا برتاؤ اس لئے کیا، تاکہ کسی کو طرفداری کی رعایت کا وہم نہ ہو۔

اے اللہ ایک دنیادار حاکم کے افعال میں تو حکمت ہو، اور خادمانِ دین کے افعال میں حکمت نہ ہو، یہ کیسی بے انصافی ہے، پھر اگر کوئی پیر (مصلح مبلغ) تمہارے ساتھ سختی کرے مگر اس کے ہاتھ سے تمہارا کام بن جائے تو ہزار بار مبارک ہو۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے باپ اپنے بچے پر سختی کرتا ہے کہ یہاں نہ بیٹھو فلاں فلاں آدمیوں سے نہ ملو، یہ چیز نہ کھاؤ، وقت پر پڑھنے جاؤ، اور وہ کبھی اس کے خلاف کرتا ہے تو باپ بیٹے کو سزا دیتا ہے، مگر اس میں کوئی بھی باپ کو ظالم نہیں کہتا، بلکہ اس سختی کو بیٹے کے حق میں شفقت ورحمت سمجھتے ہیں، پھر مشائخ کی سختی کو بھی شفقت پر کیوں نہیں محمول کیا جاتا؟

(الغرض) علماء اگر سختی کریں تو آپ کو شکایت اور ناگواری کا حق نہیں، کیونکہ تم دنیا کے واسطے اس سے بھی زیادہ سختی کو خوشی سے برداشت کرتے ہو، پھر دین کے واسطے کیوں نہیں برداشت کرتے؟ ہاں اگر تم دنیا کے واسطے بھی کسی حاکم اور طبیب اور وکیل وغیرہ کی سختی کو برداشت نہیں کیا کرتے تو پھر تمہاری شکایت کسی درجہ میں صحیح ہوتی۔[1]

علماء کا ادب کیوں ضروری ہے؟

علماء کا ادب بہت ضروری ہے، حدیث میں ہے مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يُبَجِّلْ عَالِمَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔[2]

---

[1] العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض ص ۸۰،۷۹

[2] مسند احمد بالفاظ مختلفہ عن عبادہ بن الصامت حدیث نمبر ۲۲۷۵۵ الجامع الکبیر للسیوطی ۱۳۵۷

(ترجمہ) یعنی جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے، اور بڑے کی تعظیم نہ کرے اور عالم کا اکرام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں، یہ کس قدر سخت وعید ہے[1]

علماء کا ادب اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ وارثانِ رسول ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ.... وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ .... لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا......وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش قدمی نہ کرو، اور آپ کے سامنے زور سے چلا چلا کر باتیں نہ کرو، اور رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو، بلکہ ادب سے بات کرو، اور آپ کے پاس مجمع میں بیٹھے ہوئے ہو، تو بغیر اجازت کے وہاں سے نہ اٹھو۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں حضور کے بعد آپ کے خلفاء اور وارثانِ علم (یعنی علماء ومشائخ) کے بھی وہی حقوق ہیں، کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں، بلکہ جس حدیث میں تبجیل (یعنی علماء کی تعظیم) کی تاکید ہے وہ ان احکام کے عموم پر دال ہے، اسی واسطے سلف نے وارثان رسول کا وہی ادب کیا ہے جو ان آیات میں حضور کے لئے مذکور ہے[2]

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہیں ان کے ساتھ بھی ادب برتنا چاہئے گو سوء ادب (بے ادبی) کا وبال اس درجہ کا نہ ہو، لیکن تاذّی بلا ضرورت (تکلیف دینا) حرام ہے[3]

---

[1] التبلیغ ص۱۴۰ ج ۱۲ [2] وعظ کوثر العلوم ملحقہ التبلیغ ص ۱۴۱ ج ۱۲ [3] بیان القرآن ص ۱۴۱ ج ۱۱

علماء پر بے جا الزام

دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب کا الزام علماء پر ہے، سلطنتِ اسلام پر کوئی بلا آئے تو علماء کی بدولت، ہندوستان کے مسلمانوں پر کوئی وبال آئے تو علماء کی بدولت، مسلمانوں میں افلاس آئے تو علماء کی بدولت کہ یہ سود کو حلال نہیں کرتے، نومسلم مرتد ہو تو اس کا الزام بھی مولویوں پر کہ انہوں نے تبلیغ نہیں کی، ان نومسلموں کی خبر نہیں لی، ۔۔۔۔سارا الزام مولویوں ہی کو دیا جاتا ہے کہ سلطنت اسلام کا زوال بھی انہیں کی غفلت کی وجہ سے ہوا، اور فتنہ ارتداد بھی انہیں کی غفلت سے ہوا، آگے یہ بھی کہہ دینا کہ کسی کو دست آئیں تو اس میں بھی علماء کا قصور نکال دینا، اور کسی کو دق (ٹی بی) ہو تو اس میں بھی علماء کی خطاء کہہ دینا، کسی جگہ طاعون اور ہیضہ ہو، تو اس میں بھی علماء کی خطاء بتلا دینا، کیا یہی انصاف ہے؟

مجھے اس سے انکار نہیں کہ علماء نے بھی اس معاملہ میں کوتاہی کی ہے، مگر یہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ سارا الزام انہی کو دیا جائے، اور سارا قصور انہی کا بتلایا جائے، آخر آپ کے ذمہ بھی کچھ تھا یا نہیں؟

میں بتلا چکا ہوں کہ تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے، البتہ تبلیغ عام بطور وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے، باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے۔

اور تبلیغ عام جو علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ علماء کے لئے اس کے اسباب مہیا کریں، مثلاً چندہ کر کے سفر خرچ ان کو دیا جائے تا کہ جہاں تبلیغ کی ضرورت ہو وہاں جائیں اور سفر خرچ لے کر ریل وغیرہ کے کرایہ سے بے فکر ہو جائیں، کیونکہ علماء کے پاس تبلیغ کے لئے زبان تو ہے مگر کرایہ وغیرہ

کے لئے روپیہ تو نہیں ہے، اور ان کے ذمہ یہ کام بھی نہیں ہے کہ وہ آپ سے بھیک مانگتے پھریں کہ ہم کو روپیہ دو تاکہ تبلیغ کے لئے سفر کریں۔

یہ کام عام مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے کہ وہ خود چندہ جمع کر کے علماء کو آگے کریں اور ان سے عرض کریں کہ یہ روپیہ ہے اور یہ کام ہے جس طرح آپ کہیں اس طرح کام شروع کیا جائے۔[1]

ایک صاحب مجھ سے ملے اور کہنے لگے، ارے صاحب! یہ ساری خطاء مولویوں کی ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کی کبھی خبر نہ لی۔

میں نے کہا کہ پہلے تو تمہاری خطاء ہے کہ تم نے سرمایہ جمع کر کے ان کو نہیں دیا، آخر مولوی کام کریں تو بیچارے کہاں سے کریں، اس میں سرمایہ ہی تو بلّی کا میاؤں ہے۔

لیکن عوام کے ساتھ اس میں تھوڑا سا قصور مبلغین کا بھی ہے، وہ یہ کہ جہاں سرمایہ کا انتظام بھی ہوا ہے وہاں بے دریغ روپیہ اڑا ڈالتے ہیں، مثلاً خود اپنے پیسے سے چاہے تھرڈ کلاس میں بھی سفر نہ کریں گے، مگر چندہ کا پیسہ ایسا مفت کا ہے کہ اب سیکینڈ (اور فرسٹ کلاس) سے کم میں نہیں بیٹھ سکتے۔ (یہ اس زمانہ کی بات ہے جب سفر میں اتنی زیادہ بھیڑ اور مشقت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اتنے خطرات وحادثات ہوتے تھے)

بہرحال ان سب کوتاہیوں سے احتیاط کر کے سرمایہ ضرور جمع کرو سرمایہ ہی اصلی چیز ہے اس کے بغیر نری تجویزیں بیکار ہیں۔[2]

---

[1] التواصی بالحق ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۱۹۲ [2] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۳۲۱

مولویوں اور اہل علم پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض اور اس کا تحقیقی جائزہ

ایک اعتراض مولویوں (اور اہل علم) پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے ہوئے گھروں اور مدرسوں، اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں، اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا، اور گھروں سے نکل کر گمراہوں کی دستگیری (اور ان کی ہدایت کی فکر) نہیں کرتے، لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں، کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے، کوئی احکام سے بالکل بے خبر ہے لیکن ان کو کچھ پرواہ نہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ تو بلانے سے بھی نہیں آتے اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت کسی درجہ میں ان لوگوں کے حق میں صحیح ہوسکتا تھا کہ تبلیغِ اسلام واحکام اب بھی فرض ہوتی تب بیشک ضروری تھا کہ گھر گھر شہر شہر سفر کرکے جاتے یا کسی کو بھیجتے اور لوگوں کو احکام سناتے، لیکن اب تو اسلام واحکام شرقاً غرباً (دنیا کے کونے کونے میں) مشتہر ہو چکے ہیں، کوئی شخص ایسا نہیں جس کے کانوں میں اصولاً وفروعاً اسلام نہ پہونچ چکا ہو اور جو لوگ کسی قدر لکھے پڑھے ہیں ان کو تو بذریعہ رسائل مختلف مذاہب تک کا بھی علم ہے (اور آج کل تو انٹرنیٹ کے ذریعہ سارے عالم میں اسلامی عقائد واحکام شائع ہو چکے ہیں)

اور اگر کسی مقام پر فرضاً کوئی احکام کا بتلانے والا نہ بھی پہونچا ہو، تاہم اس مقام کے لوگ اگر کل نہیں تو بعض سہی دوسرے مقامات پر پہنچے ہیں اور احکام سنے ہیں اور ان بعض سے دوسرے بعض کو پہنچے ہیں۔

بہرحال جن مقامات کا ہم کو علم ہے ان میں سے کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اسلام

واحکام نہ پہونچے ہوں، اور فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرما دی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے[1] (حقوق العلم)

[1] مذاہب اربعہ کے فقہاء مجتہدین اور محدثین نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنی مشہور کتاب ''اوجز المسالک شرح موطا مالک'' میں نقل فرماتے ہیں:

اماالیوم فقد انتشرت الدعوة فاستغنی بذالک عن الدعاء ،

قال احمد كان النبی صلی الله علیه وسلم یدعو الی الاسلام قبل ان یحارب حتی أظهر الله الدین وعلا الاسلام ، ولا اعرف الیوم احداً یدعیٰ، قد بلغت الدعوة کل احد، فالروم قد بلغتهم الدعوة ،وعلموا مایراد منهم، وانما كانت الدعوة فی أول الاسلام ، وان دعا فلابا ء س ۔

قال الموفق قوله فی اهل الکتاب والمجوس لایدعون فهو علی عمومهٖ لان الدعوة قدانتشرت وعمت فلم یبق منهم من لم تبلغه الدعوة الانادرٌ بعیدٌ، واما قوله' یدعیٰ عبدة الاوثان فلیس بعام، فان من بلغته الدعوة منهم لایدعون، وان وجدمنهم من لم تبلغه الدعوة دعی قبل القتال۔

امام مالکؒ کے شاگرد ابن حبیب مالکیؒ نقل فرماتے ہیں:

(۲)روی ابن حبیب عن المدینین من اصحاب مالک انما الدعوة الیوم فیمن لم یبلغه الاسلام ولایعلم مایقاتل ، واما من بلغه الاسلام وعلم مایدعی الیه وحارب وحورب کا لروم والافرنج ممن دانی ارض الاسلام وعرفه' فالدعوة فیهم ساقطة۔

(۳)امام نوویؒ شافعیؒ شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

وفی هٰذه المسئلة ثلٰثه مذاهب ،احداها یجب الانذار مطلقاً ، وهٰذا ضعیف، والثانی لایجب مطلقاً وهٰذا اضعف منه اوباطل ،والثالث یجب ان لم تبلغهم الدعوة ولایجب ان بلغتهم لکن یستحب وهٰذا هوالصحیح، وبه قال نافع مولی ابن عمروو الحسن البصری ، والثوری، واللیث، والشافعی، وابوثور،وابن المنذر، والجمهور،قال ابن المنذر وهو قول اکثر اهل العلم ،قدتظاهرت الاحادیث الصحیحة

علی معناہ فمنہا ھٰذاالحدیث وحدیث قتل کعب بن الاشرف وحدیث قتل ابی الحقیق۔ (شرح مسلم للنووی ص۸۱ ج۲)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں:

وذھب الأکثر الی ان ذالک کان فی بدء الامر قبل انتشار دعوۃ الاسلام ،فان وجدمن لم تبلغہ الدعوۃ لم یقاتل حتیٰ یدعیٰ نص علیہ الشافعی۔ (فتح الباری ص۱۰۸ ج۶)

(۴) علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ میں اور حضرت ملاعلی قاری حنفیؒ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

وفی المحیط بلوغ الدعوۃ حقیقۃ اوحکماً ،فان استفا ض شرقا وغرباً انھم الی ماذا یدعون ، وعلیٰ ماذا یقاتلون فاقیم ظھورھا مقامھا (ای مقام الدعوۃ) اھ۔

ولاشک ان فی بلاداللہ من لاشعورلہ' بھٰذ الأمر، فیجب ان المدار علیہ ظن ان ھؤلآء لم تبلغھم الدعوۃ ،فاذاکانت بلغتھم لاتجب ولکن یستحب،...وقیدھٰذاالاستحباب بان لایتضمن ضرراً بان یعلم بانھم با لدعوۃ یستعدون اویحتالون اویتحصنون، وغبلۃ الظن فی ذالک تظھر من حالھم کالعلم ، بل ھو المراد اذحقیقتہ' یتعذر الوقوف علیھا۔

(فتح القدیر شرح ہدایہ ص۱۹۶ ج۵،مرقاۃ شرح مشکوٰہ ص۴۳۲ ج۷،کتاب الجہاد باب الکتاب الی الکفار ودعائہم الی الاسلام)

فائدہ: مذکورہ بالا عبارات اور ائمہ اربعہ کے مسالک سے یہ فیصلہ کرنا بھی آسان ہے کہ موجودہ زمانہ میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے یا نہیں، اور اس دعوت کے نہ دینے سے ہم گنہگار ہوں گے یا نہیں، (اس کی کچھ تفصیل آگے بھی آرہی ہے)۔

البتہ دوسرے پہلو سے علماءِ اسلام پر یہ بات واجب ہے کہ اسلام کے تعلق سے غیر مسلموں کو جو بھی غلط فہمیاں ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہیں، یا دوسرے لوگوں نے اسلام کی غلط تصویر پیش کی جس کی وجہ سے وہ اسلام سے صحیح طور پر متعارف نہیں ہوسکے کہ اسلام کیا چاہتا ہے اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کیا ہیں ،ایسی صورت میں متکلمین اسلام پر واجب ہوگا کہ اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیں، اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں اور اسلام کا صحیح تعارف کرائیں، اور یہ چیز علم کلام کے دائرہ میں آتی ہے ،اور اس پہلو سے علماء اسلام پر غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا یعنی اسلام کا صحیح تعارف کرا کر ان کی غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو دور کرنا واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (مرتب)

پس جب تبلیغ واجب نہیں تو اس کے ترک پر ملامت کیسی؟ اور اگر ترکِ مستحب پر یہ الزام ہے تو وہ محل الزام نہیں۔

دوسرے اس سے قطع نظر اگر ان لوگوں کو کوئی ضروری شغل نہ ہو تو کچھ گنجائش بھی ہے، لیکن جو لوگ اسلام کی دوسری خدمت کر رہے ہیں وہ بھی جب ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں تو اس شبہ کی گنجائش کہاں ہے۔

دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہنچ کر ہدایت واصلاح کریں، خود ان کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء (ومشائخ) موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کرلو۔

تیسرے کیا اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے، دوسرے دنیادار مسلمانوں کے ذمہ نہیں؟ یعنی ان کو بھی چاہئے کہ سمجھیں کہ علماء کو معاش سے فراغت نہیں، آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کر کے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں اور ان کی کافی مالی خدمت کر کے معاش سے ان کو مستغنی کریں، پھر وہ علماء معاش سے بے فکر ہو کر اس خدمت کو انجام دیں، جس طرح مشنری کے لوگ بڑے بڑے مشاہرے پا رہے ہیں اور جا بجا لکچر دیتے اور رسائل تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔

اور ہمارے حضرات معترضین کو جو یہ اعتراض مذکور علماء پر سوجھا ہے وہ انہیں مشنریوں کی مساعی کو دیکھ کر سوجھا ہے، اور یہ اس وقت عام عادت ہوگئی ہے کہ اصل حقیقت میں غور نہیں کرتے، بس دوسری قوموں کے رسم ورواج کو اپنا رہنما بنا کر ان کی موافقت ومخالفت کو معیارِ استحسان وعدم استحسان کا قرار دیا ہے۔

چونکہ مشنری لوگ ایسا کر رہے ہیں اور علماء کو ایسا کرتے کم دیکھا ہے بس اعتراض کر دیا، علماء پر الزام دینے سے پہلے ہم یہ بھی تو دیکھ لیں کہ آیا ہمارے دنیا دار ان

کے دنیاداروں کے برابر بھی مالی اعانت کرتے ہیں یا نہیں، وہی مثل صادق ہے۔

حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء

البتہ اگر کوئی ایسا مقام (جنگل، جزیرۃ) ثابت ہو جائے (جہاں اب تک اسلام کی تبلیغ نہیں ہو سکی) تو بیشک وہاں تبلیغ اسلام کے وجوب کا انکار نہیں، لیکن یہ وجوب علماء کے ساتھ خاص نہیں سب اہل اسلام پر اپنی اپنی وسعت کے بقدر واجب ہوگا۔[1]

فرمایا: لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آکر ہمیں ہدایت (یعنی تبلیغ) کریں، میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ گھروں پر جا کر ان کو ہدایت کریں نیز اس میں ان کی حاجت مندی کا شبہ ہو سکتا ہے۔

بس مناسب یہی ہے کہ علماء اپنے مکان (اور مستقر و مرکز) پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں، سول سرجن (ڈاکٹر) پر کبھی آپ نے یہ اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن صاحب شفیق نہیں، ہمارے پاس گھروں میں آکر علاج نہیں کرتا، (پھر علماء پر اس قسم کا کیوں اعتراض کرتے ہو؟)[2]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کن کن لوگوں پر اور کس صورت میں واجب ہے؟

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) جو شخص امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہو کہ اگر میں امر و نہی کروں گا تو مجھ کو کوئی ضرر معتد بہ لاحق نہ ہوگا (یعنی اس کی وجہ

---

[1] حقوق العلم ص ۵۱ مطبوعہ تھانہ بھون [2] حسن العزیز ص ۳۲۲ ج ۴

سے ایسے حالات سے سابقہ نہ پڑے گا جس کا وہ تحمل نہ کر سکے، ایسی صورت میں) اس کے لئے امور واجبۃ میں امر ونہی کرنا واجب ہے، اور امور مستحبہ میں مستحب۔

مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے اور نوافل مستحب میں اس کو نصیحت کرنا مستحب ہوگا۔

(۲) اور جو شخص بالمعنی المذکور قادر نہ ہو (یعنی اس بات کا خطرہ اور ظن غالب ہو کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا تو لوگ میری ایذاء کے درپے ہو جائیں گے اور ایسے حالات سے سابقہ پڑے گا جس کو میں برداشت نہ کر سکوں گا ایسی صورت میں) اس پر امر ونہی کرنا امور واجبہ میں بھی واجب نہیں البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔

(۳) پھر اس امر ونہی میں قادر کے لئے امور واجبہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قدرت ہاتھ سے ہو (یعنی ہاتھ سے منع کرنے اور روکنے پر قادر ہو) تو ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے، جیسے حکام محکومین کے اعتبار سے (یعنی حکومت کو اپنے ماتحت محکومین ،رعایا اور پبلک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام اپنے ہاتھ اور قوت سے کرنا واجب ہے) یا ہر شخص خاص اپنے اہل وعیال کے اعتبار سے (یعنی گھر کے بڑے اور حاکم مثلاً عورت کا شوہر، بیٹوں کا باپ وغیرہ پر اپنی قدرت اور طاقت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا واجب ہے)

اور اگر صرف زبان سے قدرت ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے۔

اور غیر قادر کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ تارکِ واجبات اور مرتکب محرمات (یعنی فرائض اور واجبات چھوڑنے والے سے اور حرام میں مبتلا شخص) سے دل سے نفرت رکھے۔

تبلیغ کے لئے علم کی شرط

(۴) پھر قادر کے لئے منجملہ شرائط کے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ (جس امر کی تبلیغ کرنے جارہا ہے) اس امر کے متعلق شریعت کا پورا حکم اس کو معلوم ہو۔

علم کی شرط ہونے سے یہ معلوم ہوگیا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات واحکام بلاتحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں، اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔

اور منجملہ آداب کے ایک ضروری ادب یہ ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی کرے اور واجبات میں اولاً نرمی کرے اور نہ ماننے پر سختی کرے۔

(۵) اور ایک تفصیل قدرت میں یہ ہے کہ دستی قدرت میں تو کبھی اس امر ونہی کا ترک جائز نہیں (یعنی جن کو حکومت حاصل ہو خواہ ملک میں خواہ گھر میں، ان کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کرنا جائز نہیں)۔

اور زبانی قدرت میں نفع سے مایوسی کے وقت ترک جائز ہے، لیکن مودت ومخالطت کا ترک بھی واجب ہے (یعنی ان سے دوستی، محبت اور میل جول رکھنا جائز نہیں) مگر بضرورت شدیدہ (یعنی مجبوری کی صورت میں جائز ہے)

(۶) پھر قادر (یعنی حاکم) کے ذمہ اس کا وجوب علی الکفایہ ہے، اگر اتنے آدمی اس کام کو کرتے ہوں کہ بقدر حاجت کام چل رہا ہو تو دوسرے اہل قدرت کے ذمہ سے ساقط ہو جاوے گا۔[1]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہیں واجب ہوتا ہے جہاں فاعل بے خبر ہو (یعنی اس کو گناہ کا گناہ ہونا معلوم نہ ہو) یا فاعل پر پوری قدرت ہو، یا قبول کی پوری توقع ہو ورنہ مستحب ہے۔

[1] تفسیر بیان القرآن پ۴ سورہ آل عمران ص۴۵ ج۲

اورمنجملہ اس کے آداب کے یہ ہے کہ اول خلوت (تنہائی) میں کہے اور نرمی سے کہے، اس کے بعد اگر مصلحت ہو علانیہ کہے، ورنہ سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعاء کرے۔

جب نفع کی امید نہ ہو نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے

وَاِذْقَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْمُعَذِّ بُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ط قَالُوْ ا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (الاعراف آیت نمبر ۱۶۴)

(ترجمہ) اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا تھا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو، جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید ڈر جائیں۔

(فائدہ) مسئلہ یہ ہے کہ جب نفع کی امید نہ ہو، نہی عن المنکر کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے، تو قائلین اول نے یاس (ناامیدی) کی وجہ سے وعظ چھوڑ دیا اور قائلین ثانی کو امید تھی اس لئے وہ کرتے رہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ ساکتین کو بھی نجات رہی، اب بھی اسی بناء پر اہل طریق کا مذاق مختلف ہے، بعض اولین کے مشابہ ہے بعض دوسروں کے۔[1]

تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس آیت نمبر ۹۹)

(ترجمہ) سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آئیں۔

(فائدہ) اس میں دلالت سے کہ بعد تبلیغ کے درپے ہونے (یعنی پیچھے پڑنے اور اصرار) کی ضرورت نہیں۔ (بیان القرآن)

[1] مسائل السلوک بیان القرآن ص ۲۰۷

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُؕ (النحل آیت نمبر ۱۲۵)

(ترجمہ) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

(فائدہ) اس میں اہل اللہ کے طریق دعوت کی تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں، اور یہی مذاق ہے اہل طریق کا۔[1]

دعوت وتبلیغ میں کسی کے پیچھے پڑ جانے کے نقصانات

فرمایا: ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں جو نہایت نافع اور موثر ہے، وہ یہ کہ کسی کے درپے نہ ہونا چاہئے (یعنی پیچھے نہ پڑنا چاہئے) اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس صورت میں فریق بندی ہو جاتی ہے، پھر کوئی کام نہیں ہو پاتا۔

(۳) تیسرے یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے، پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آ جاتی ہے، پھر ثواب بھی نہیں ہوتا، اس پر لوگوں کی نظر کم ہو جاتی ہے، یہ ہے باریک بات، اور حکم خداندی بھی ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیۡکَ اَلَّا یَزَّکّٰی۔ (سورہ عبس پ ۳۰)

ترجمہ: جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے۔

استغناء کے وصف سے آپ کو اس سے تنفر دلانا ہے۔[2]

---

[1] بیان القرآن مسائل السلوک [2] الافاضات الیومیہ ص ۲۹۷ ج ہشتم جزء ۲

تبلیغی جدوجہد سے اصل مقصود تو حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے نہ کہ ثمرہ (اور کامیابی) اس کے لئے دعا کی بھی اجازت ہے، مگر مبالغہ کے ساتھ اس کے پیچھے مت پڑو، کہ ہو ہی جائے، اور نہ ہو تو رنج کر کے بیٹھ جاؤ، چنانچہ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى اور لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ میں اس کی تعلیم ہے کہ آپ تبلیغ کرنے کے زیادہ پیچھے نہ پڑیئے، وہ قبول کریں یا نہ کریں اس سے بحث نہ ہونا چاہئے، آپ اس کے درپے نہ ہوں، آپ کا کام رضاء حق حاصل کرنا ہے نہ کہ ثمرات، نہ وہ اختیاری ہیں اور نہ ان کا وعدہ کیا گیا ہے، اسی لئے ہم کو کسی کو مسلمان بنانے کا حکم نہیں، کیونکہ وہ دوسرے کے اختیار میں ہے۔[1]

تبلیغ میں زیادہ کاوش اور ناکامی پر زیادہ رنج کرنے کی ممانعت

بڑی خرابی اس کاوش میں یہ ہے کہ اس غم کی وجہ سے طبیعت سست ہو جاتی ہے اور اس سے رفتہ رفتہ کوشش کرنے سے معطل اور بے کار ہو جاتا ہے تو غم کا جو منشاء تھا یعنی ناکامی وہ اور اچھی طرح واقع ہوتی ہے، اور شریعت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مسلمان سست نہ ہونے پائیں، اس لئے زیادہ رنج مناسب نہیں، اور گو رنج کو منع کرنے سے ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ تو شفقت کی کمی کی تعلیم معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا راز یہ ہے کہ جب ایسی چیزوں کا غم کرو گے جو تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں تو خوامخواہ سست ہو جاؤ گے، اور اس سے اصل کام میں خلل واقع ہوگا۔

(خلاصہ یہ کہ) ہم کو کوشش کرنا چاہئے اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کرنا چاہئے، ناکامی پر مغموم (بددل اور رنجیدہ) نہ ہونا چاہئے، اور کامیابی پر اترانا نہیں چاہئے، کام شروع کر دو اس کے سب راستے کھل جائیں گے۔[2]

---

[1] آداب التبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۱۳۱ [2] ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۳۱۴، ۳۱۱

غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ

اور منجملہ اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے خواہ بذریعہ تقریر اور خواہ بذریعہ تحریر، اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی، اور یہ (یعنی غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا) احکام دینیہ کے عموم شیوع (یعنی عمومی پیمانے پر شائع ہوجانے) کی وجہ سے گو اس وقت واجب نہیں رہا لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے اور اس غرض کی تحصیل وتکمیل کے لئے اگر ان قوموں کی زبان بھی سیکھ لے تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے جیسا اس وقت کوئی شخص انگریزی وغیرہ اسی غرض سے حاصل کرنا چاہے[1]

تکمیل اسلام وتبلیغِ اسلام دونوں ہی کی دعوت دینا چاہیے

جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہونچانا چاہئے، کیونکہ اول تو یہ بات مروۃ وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سودمند) چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے، دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن (خوبیاں اور اچھائیاں) کو بیان کریں (تا کہ ان کو اسلام کی طرف رغبت ہو)۔

تو اب دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے مگر ادھوری ہے، ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے، اس شعبہ کا نام میں تکمیلِ اسلام رکھتا ہوں، دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے، ان کو اسلام پہنچانا چاہئے، اس شعبہ کا نام میں تبلیغِ اسلام رکھتا ہوں، اس میں بہت زمانہ سے مسلمان کوتاہی کررہے ہیں، اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا۔

---

[1] اشرف السوانح ص۲۲۳ ج۳ قدیم

ہماری یہ حالت ہے کہ بہت لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں، اور جو لوگ اس کی ضرورت ومرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر مدارات ہوتی ہے، کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا، کیونکہ وہاں خاطر ومدارات کہاں، بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کی جائے یا غیر مسلموں کو؟

ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو مسلَّم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے، لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کی جائے تو غیر مسلموں کو (نہ کہ مسلمانوں کو) کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہونچ ہی جائیں گے، باقی رہے کفار، سو وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، کبھی ان کو دوزخ سے خلاصی نہ ہوگی لہٰذا کفار کے لئے اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو حق کی (یعنی اسلام کی) تبلیغ کی جائے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول (اسلامی عقائد، توحید ورسالت) ضروری ہیں اسی طرح فروع (احکام ومسائل) پر بھی عمل ضروری ہے، تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی ضرورت کے درجہ میں فرق ہے، مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کر سکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے، بس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو، اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔

اور نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں خود اپنی رائے سے نہیں دے رہا بلکہ

۱؎ الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۲۸۷

اس کا فیصلہ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، چنانچہ سورہ عبس ......میں ان نابینا صحابی ابن ام مکتوم کے واقعہ میں ان دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا، اوران دونوں موقعوں میں سے جس موقع میں نفع کی زیادہ امید تھی، اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

یعنی سورہ عبس میں ایک تو اس موقع کا ذکر ہے جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا، کیونکہ کفار (غیر مسلموں) کے بعض سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کو اصول (توحید ورسالت) کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا مگر وہاں نفع یقینی نہ تھا۔

اور دوسرا موقع ان نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور وہ یہ موقع فروع (یعنی فضائل ومسائل) کی تبلیغ کا تھا، مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا، اس لئے ان نابینا صحابی کی تبلیغ کو ان کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی[1]۔

غیر مسلموں میں تبلیغِ اسلام کا طریقہ

اسلام میں دو چیزیں ہیں، اصول وفروع، عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع، اور اس پر سب عقلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے، جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے، اس لئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اسلام کے اصول کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہے کیونکہ اصول عقلی ہوتے ہیں ان پر عقلی دلائل قائم کرکے فریق مخالف پر حجت قائم کر سکتے ہیں، اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں، یعنی یہ ضروری نہیں کہ ان کا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت سے فروع سمع ونقل سے ثابت ہوتے ہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہ ہوں، سو بحمد اللہ اسلام کے اصول سب عقلی ہیں اور فروع عقل کے خلاف نہیں۔

پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید ورسالت کو ثابت کیا جائے، جب وہ

[1] الافاضات الیومیہ ص٦٦ ج٩ جزءاول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں گے تو اس کے بعد جس فرعی مسئلہ کی وہ دلیل مانگیں اس کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے ثابت ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً ،اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم عقل کے خلاف نہیں ہے کیونکہ خلاف عقل محال ہوتا ہے یا قبیح ،اور یہ حکم نہ محال ہے نہ اس میں کوئی قباحت ہے۔[۱]

اگر کافر سے دفعۃً (یکبارگی) یہ کہا جائے کہ اسلام لے آؤ تو اس سے گھبرا جائے گا ،پس حق تعالیٰ نے وعظ وتبلیغ کا طریقہ بتلایا ہے کہ نصیحت کے وقت پہلے مخاطب سے یوں کہو کہ آؤ ہم تم کو ایک سچی بات بتلائیں کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہے اس کے وجود کو ماننا چاہیے ،جب اس نے اس کو مان لیا تو اب یہ کہو کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے ،اس کا علم ایسا ہے ،قدرت ایسی ہونا چاہیے ،اس کو شرکت ومساوات اور تمام عیوب سے پاک ہونا چاہئے ،ان باتوں کو سب مانیں گے۔

اس کے بعد اس سے کہو کہ پھر دیکھو کہ صانع عالم (دنیا کو پیدا کرنے والے) کی توحید اور تعظیم اس کی شان کے لائق کس مذہب میں ہے؟ یقیناً اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ بات نہیں ،اب اس سے کہو کہ تم کو اسلام لانا چاہئے ، کیونکہ اسلام ہی میں ان باتوں کی بخوبی تعلیم دی گئی ہے ،اس طرح مخاطب کو ذرا بھی وحشت نہ ہوگی ،اور اگر دوسرے شخص کو شرعی اصطلاحوں میں نصیحت کروگے (مثلاً کافر سے یہ کہا جائے کہ اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام لے آؤ) تو اس کو وحشت ہوگی۔[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو ،جنگ وجدال بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں ،کیا اس کے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ وجدال میں مشغول ہوں ،اس کے حسن ہی کے بیان کرنے سے فرصت نہیں مل سکتی پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے۔[۳]

[۱] محاسن الاسلام ص ۳۰۰ [۲] التوصی بالحق ملحقہ دعوت وتبلیغ ص ۱۶۸ [۳] الاتمام لنعمۃ الاسلام ص ۷۶

مآخذ ومراجع

اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

ان کی فہرست

(۱)ابن کثیر
(۲)ابن ماجہ
(۳)ابوداؤد
(۴)الاتمام لنعمۃ الاسلام (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۵)احکام العشر الاخیرہ (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۶)احکام المال (افادات تھانویؒ)
(۷)احیاء العلوم
(۸)آداب التبلیغ
(۹)ارشادات حکیم الامت
(۱۰)ارضاء الحق (وعظ تھانویؒ)
(۱۱)اسلام اور جدید معاشی مسائل (تقی عثمانی)
(۱۲)اشرف السوانح
(۱۳)الاصابہ فی معنی الاجابہ (وعظ حضرت تھانوی)
(۱۴)الافاضات الیومیہ (ملفوظات حضرت تھانویؒ)
(۱۵)افناء المحبوب (وعظ تھانویؒ)
(۱۶)انفاس عیسیٰ (افادات حضرت تھانویؒ)
(۱۷)البدائع (مقالات تھانویؒ)
(۱۸)بخاری شریف
(۱۹)بذل المجہود شرح ابوداؤد
(۲۰)بوادر النوادر (رسائل تھانویؒ)
(۲۱)بیان القرآن (تفسیر حضرت تھانویؒ)
(۲۲)تجدید معاشیات (مضامین تھانویؒ)
(۲۳)تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی
(۲۴)تدبیر وتوکل (مواعظ تھانویؒ)
(۲۵)ترمذی شریف
(۲۶)تسہیل المواعظ (حضرت تھانویؒ)
(۲۷)تعلیم الدین (حضرت تھانویؒ)
(۲۸)التکشف (حضرت تھانویؒ)
(۲۹)التواصی بالحق (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۳۰)التوکل (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۳۱)الجامع الفرید (مجموعہ رسائل ابن تیمیہ)
(۳۲)الجناح (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۳۳)حجۃ اللہ البالغہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ)
(۳۴)حیات المسلمین (حضرت تھانویؒ)

(۳۵) حقوق وفرائض (مواعظ حضرت تھانویؒ) (۵۷) فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ بزازیہ
(۳۶) حسن العزیز (ملفوظات حضرت تھانویؒ) (۵۸) فتح الباری شرح بخاری
(۳۷) خیر المال للرجال (وعظ حضرت تھانویؒ) (۵۹) فتح الملہم شرح مسلم
(۳۸) درس ترمذی (مولانا محمد تقی عثمانی) (۶۰) الفصل والانفصال (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۳۹) دعوت وتبلیغ (مواعظ حضرت تھانویؒ) (۶۱) قرطبی
(۴۰) رسائل ابن ابی الدنیا (۶۲) کتاب الکسب (امام محمدؒ)
(۴۱) زاد المعاد (ابن قیم) (۶۳) کساء النساء (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۴۲) زرقانی (شرح موطا) (۶۴) کمالات اشرفیہ (ملفوظات تھانویؒ)
(۴۳) سبیل النجاح (وعظ حضرت تھانویؒ) (۶۵) المدخل (ابن الحاج مالکیؒ)
(۴۴) سفر در سفر (سفرنامہ مولانا محمد تقی صاحب مدظلہ) (۶۶) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ
(۴۵) سیرت ابن ہشام (۶۷) مسائل السلوک (حضرت تھانویؒ)
(۴۶) سیرت الصوفی (وعظ حضرت تھانویؒ) (۶۸) مسلم شریف (۶۹) مسند احمد
(۴۷) شرح عقائد (۷۰) معارف القرآن (مفتی محمد شفیع صاحبؒ)
(۴۸) ضرورت تبلیغ (وعظ حضرت تھانویؒ) (۷۱) مکاتیب مولانا الیاس صاحبؒ
(۴۹) الطب النبوی (ابن قیم) (۷۲) ملفوظات مولانا الیاس صاحبؒ
(۵۰) العبد الربانی (وعظ حضرت تھانویؒ) (۷۳) مکتوبات وارشادات (۷۴) منتخب احادیث
(۵۱) علو العباد (وعظ حضرت تھانویؒ) (۷۵) مولانا الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
(۵۲) علم وعلماء کی فضیلت (حکیم اختر صاحبؒ) (۷۶) مہمات الدعاء (وعظ حضرت تھانویؒ)
(۵۳) العبرہ (وعظ حضرت تھانویؒ) (۷۷) نبراس شرح شرح عقائد
(۵۴) عمدۃ القاری شرح بخاری (۷۸) نبی رحمت (مولانا علی میاں ندوی)
(۵۵) فتاویٰ ابن تیمیہ (۷۹) نسائی شریف
(۵۶) الفتاویٰ اللجنہ الدائمہ (۸۰) نیل الاوطار (علامہ شوکانیؒ)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات وتعلیمات کی اہمیت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی نظر میں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو کہ ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے کہ حضرت تھانویؒ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقیٔ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت تھانویؒ کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔[1]

نیز تبلیغی کارکنوں کے لئے ایک مکتوب میں جو پندرہ ہدایتوں پر مشتمل ہے اس کی ہدایت نمبر ۸و۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت تھانویؒ کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جائے ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے........حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جائے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا، اور ان کے آدمیوں سے عمل''۔[2]

---

[1] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مختصراً ص ۵۸و۹۶ ملفوظ نمبر ۵۶و۵۷

[2] مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ ص ۱۳۷و۱۳۸ مطبوعہ دہلی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف اور تحقیقات وافادات کے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کا اظہار خیال اور حضرت تھانویؒ کی علامہ سید سلیمان ندویؒ کو وصیت

علامہ سید سلیمان ندوی اپنے آخری سفر تھانہ بھون کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مسعود عالم ندوی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں ۱۱ر جولائی کو رخصت ہوکر بھوپال روانہ ہوا، چلتے وقت ارشاد ہوا جاؤ خدا کے سپرد کیا،۔۔۔۔۔اور ارشاد ہوا کہ میری کتابوں کے اقتباسات رسالوں اور کتابوں کی صورت میں شائع کرو، یہ گویا میری آئندہ تکمیل کی راہ بتائی گئی۔ (مکاتیب سید سلیمان ص ۱۴۶)

حضرت عارف باللہ جناب ڈاکٹر عبدالحئی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری ملاقات میں علامہ سید سلیمان ندویؒ سے ارشاد فرمایا تھا: میری تصانیف سے انتخابات شائع کرتے رہنا۔[1]

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

بڑی ضرورت تھی کہ اس اصلاح وتجدید کے خاکے کو جس کو ایک مصلحِ وقت اپنی تصنیفات ورسائل میں سپرد کر گیا ہے اور جن پر زبان کی کہنگی اور طریقِ ادا کی قدامت کا پردہ پڑا ہے، ان کو موجودہ زمانہ کے مذاق اور تقریر وتحریر کے نئے انداز کی روشنی میں اجاگر کیا جائے۔[2]

---

[1] مآثر حکیم الامت ص ۱۶۵ [2] مقدمہ تجدید کامل ص ۳۳

اکابر علماء کے تاثرات

اس جامعیت کے ساتھ اب تک کام نہیں ہوا تھا

تاثرات حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے، چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے: ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید''

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں، آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے۔

حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا، اس سلسلہ کی (سات) درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں، بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہٗ خادم جامعہ عربیہ باندہ (یوپی)

حضرت تھانویؒ کے علوم ومعارف کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا)

تاثرات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (**بارک الله فی حیاته وفی افادته**) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسا ئیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت میں انجام پا رہے ہیں۔ **اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خیرا .**

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی
۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

مبارک سلسلہ اور سلیقے کا کام

ان کتابوں کو ضرور پڑھنا چاہیے

رائے عالی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں سے تعلق اور ان کے ملفوظات وہدایات کو ان کی افادیت کے پیش نظر مرتب کرنے اور جمع کرنے سے خصوصی دلچسپی عطاء فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے بزرگوں کے افادات کو مختلف رسالوں اور کتابوں کی صورت میں جمع کیا ہے اور یہ کام اس سلیقہ سے کیا ہے کہ اس میں تحقیقی وعلمی انداز بھی پایا جاتا ہے اور دینی وتربیتی مقصد بھی پورا ہوتا ہے۔

ہم کو مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد زید صاحب جنہوں نے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور اصلاح وراشاد کے سلسلے میں مختلف نوعیّتوں کی وضاحت پر مشتمل مضامین کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کا ایک مبارک سلسلہ میں شروع کیا ہے۔

مولانا زید صاحب نے دینی افادات کا، اصلاح دین کا حامل بہت مفید لٹریچر جمع کر دیا ہے، اصلاح باطن ودرستگی احوال کے لئے یہ انتخاب اور لٹریچر انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

مفتی محمد زید صاحب کے یہ علمی کوششیں قابل ستائش ہیں جو ایک طرف تو ایک اچھا علمی کام ہے اور دوسری طرف اس کی دینی واخلاقی افادیت ہے۔

(مکتوب گرامی)......آپ کی مرسلہ تصانیف پہنچیں، آپ نے مفید سلسلہ تیار کیا ہے، علمی زندگی گذارنے والے حضرت خواہ وہ منتہی یا متوسط طالب علوم دین

ہوں، خواہ ان کے عام مدرسین، سب کے لئے فقہ، افتاء وآداب متعلم ومعلم کے موضوعات پر یہ تین کتابیں جو مجھ کو آپ سے موصول ہوئیں، یہ تینوں کتابیں میرے نزدیک بہت مفید ہیں، مدارس میں درس وتدریس یا فقہ وافتاء کا کام کرنے والوں کو ضرور پڑھنا چاہئے ان سے ایک طالب علم اور ایک معلّم کے جو اخلاق وسیرت وکردار ہونا چاہئے اور اس میں اپنے مقصد کے لئے جو اخلاق واحتیاط ہونا چاہئے اور اس دینی وتربیتی کام کے لئے جو ہمت وحوصلہ وتقویٰ ہونا چاہئے اس کی بڑی خوبی کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کا نفع عام فرمائے۔

دعاء گو محمد رابع ندوی ۲/۸/۲۱۴۱ھ

جدت وقدامت کا سنگم

اظہار خیال

مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہٗ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی کی جدت وقدامت نے انہیں دوآتشہ بنا دیا ہے، یعنی طرز قدیم کے بزگوں کے ایک ایک ملفوظ کی تحقیق وترتیب جدید میں مصروف ہیں، اور جدید وسائل کتابت وطباعت سے کام لے کر اپنی تصنیفی خدمات کو انہوں نے تحقیقی مقام تک بھی پہونچا دیا ہے، اور دیدہ زیب بھی بنا دیا ہے۔

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی کا تعارف ہی اہل علم میں حضرت تھانویؒ کی نسبت سے ہے، اس میں شک نہیں کہ تھانویؒ علوم معارف کی نسبت سے وہ کسی ''متخصص''اور''ڈاکٹر'' سے کم نہیں، یقیناً تھانویؒ علوم کی ترتیب وتحقیق پر انہیں پی، ایچ، ڈی کی ڈگری ملنی چاہئے۔